علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

شعبان، رمضان مارچ 2023

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

پیغامِ الٰہی جل جلالہ

عبداللہ بن مسعود

(مفہوم آیت سورہ لقمان: ۱۷)

''بیٹا! نماز قائم کیا کرو۔''

عزیز دوستو! اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت لقمان علیہ السلام کی اُن نصیحتوں کو بھی بیان کیا ہے جو اُنھوں نے اپنے بیٹے کو اِرشاد فرمائیں، تاکہ دوسرے لوگ بھی اُن پر عمل کرسکیں۔ ان اَن مول جواہرات میں سے ایک قیمتی نصیحت نماز کو قائم کرنے کی بھی فرمائی۔

ہمارے دین میں نماز سب سے بڑا اور اَہم عمل ہے اور خود اَہم ہونے کے ساتھ ہماری زندگی کے دوسرے کاموں کو بھی درست اور ٹھیک کرنے کا ذریعہ ہے۔ سورۂ عنکبوت کی آیت نمبر ۴۵ میں ارشاد ہے: ''نماز اِنسان کو بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے''، لہٰذا جب ہم اپنی نماز کو نماز کی طرح پڑھیں گے تو اِن شاء اللہ! ہم غلط کاموں سے بچ جائیں گے اور ہماری زندگی اچھی ہوتی چلی جائے گی۔

عزیز دوستو! اب ہمیں نماز کا پابند بننا ہے اور اَپنی نماز کو بہترین بنانا ہے، اس کے لیے ہم آپ کو چند کام بتاتے ہیں:

۱۔ اذان ہوتے ہی سب کام چھوڑ کر نماز کی تیاری میں لگ جانا۔

۲۔ اپنے اوپر یہ لازم کرلینا کہ نماز بالکل ٹھہر ٹھہر کر مکمل اطمینان کے ساتھ پڑھنی ہے۔

۳۔ ہر نماز کے بعد اِس دعا کو مانگنا: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔

(السنن لابی داود، الرقم: ۱۵۲۲)

عزیز دوستو! ان چیزوں کی پابندی سے ہماری نماز، عمدہ اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ نماز بن جائے گی، ان شاء اللہ!

پیغامِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

راشد علی نواب شاہی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتے ہیں اور جمائی کو ناپسند کرتے ہیں، کیوں کہ جمائی شیطان کی طرف سے ہے۔''

(صحیح البخاری، الادب، مایستحب من العطاس...، الرقم: ۶۲۲۳)

عزیز ساتھیو! انسان کو بے اختیار چھینک آتی ہے۔ یہ ایک طبعی چیز ہے اور جب انسان تھک جاتا ہے تو نیند کے غلبے کی وجہ سے جمائیاں لینا شروع کردیتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہماری راہ نمائی فرمائی ہے کہ چھینک آنا، یہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اس سے طبیعت میں تازگی سی آجاتی ہے، لیکن چھینکنے کے بھی کچھ آداب ہیں، لہٰذا چھینک آئے تو اِن باتوں کا خیال رکھیں:

۱۔ چھینک آئے تو اپنا ہاتھ یا کوئی کپڑا منہ کے آگے رکھ لیں۔

۲۔ چھینک کی آواز کو جتنا ممکن ہو، دبالیں۔

۳۔ چھینک آنے پر آہستہ آواز میں الحمد للہ کہیں۔ الحمد للہ سننے والا چھینکنے والے کو جواب میں یرحمك اللہ (اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔) کہے۔ چھینکنے والا اس دعا کے جواب میں یھدیکم اللہ ویصلح بالکم (اللہ تعالیٰ تمھیں ہدایت دے اور تمھارے حال کو اَچھا کرے۔) کہے۔

اسی طرح جب جمائی آئے تو مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھیں:

۱۔ اپنے بائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھ لیں۔

۲۔ جہاں تک ہوسکے جمائی کو روکنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ جمائی لیتے وقت آواز نہیں نکالی جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

زیرِ سرپرستی:

حضرت مولانا مفتی **محمد تقی عثمانی صاحب** دامت برکاتہم

شعبان، رمضان ۱۴۴۴ ہجری | جلد: 18

شمارہ: 03

ناشر — محمد عارف رشید

مجلسِ ادارت

- مدیر اعزازی — عبدالعزیز
- معاون — محمد طلحہ شاہین
- معاون — زبیر عبدالرشید

ڈیزائنر — سید ناصر

کمپوزر — سعد علی

نگران ترسیل — منور عمر

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاحِ امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت عام شمارہ
120
روپے

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک
1500/=

بذریعہ عام ڈاک
1250/=

ماہ نامہ ذوق وشوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔

خط و کتابت کا پتہ:

ماہ نامہ ذوق وشوق، پی۔ او۔ بکس نمبر 17984 پوسٹ کوڈ 75300، گلشن اقبال، کراچی

Email: zouqshouq@hotmail.com

zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

: 0324-2028753, 0320-1292426

دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00

دوپہر 2:30 تا 6:00

Jazz Cash : 0320-1292426

(نوٹ: جاز کیش اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0320-1292426) پر واٹس ایپ کردیں۔)

پبلشر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیمی و دینی تربیتی ترقی و اصلاح کی خاطر ابن حسن پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

سالانہ خریداری بذریعہ میزان بینک اکاؤنٹ:

اکاؤنٹ ٹائٹل: Bait ul ilm trust zouq o shouq

اکاؤنٹ نمبر: 0179-0103431456، سولجر بازار برانچ، کراچی

(نوٹ: بینک اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کی رسید اس نمبر (0324-2028753) پر واٹس ایپ کردیں۔)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔

دوستو! ایک بہت قیمتی چیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو عطا کر رکھی ہے۔

ارے، آپ تو اپنی جیب ٹٹولنے لگے۔ بھئی، ہر قیمتی چیز مال و دولت تو نہیں ہوتی نا کہ اُسے جیب میں ڈھونڈا جائے! اسی طرح یہ قیمتی چیز مال و دولت نہیں، لیکن اربوں کھربوں روپے کی دولت سے کہیں بڑھ کر ہے۔

اب آپ سوچ میں پڑ گئے۔ فکر نہ کیجیے، ہم آپ کو بتا ہی دیتے ہیں۔ یہ قیمتی چیز ہے: صحت!

صحت، اللہ تعالیٰ کی صرف عظیم ہی نہیں، بل کہ عظیم ترین نعمت ہے، جس کا کوئی بدل نہیں اور عجیب بات یہ کہ یہ نعمت ہمیں عطا بھی مفت کی گئی ہے۔

اب یہی دیکھ لیجیے، جب کوئی ذرا سا بیمار پڑ جائے تو کتنی تکلیف میں آ جاتا ہے اور کتنے پیسے خرچ ہو جاتے ہیں، روزمرہ کے کام بھی متاثر ہو جاتے ہیں، اس لیے اِس صحت کی نعمت کی ہر قیمت پر ہمیں حفاظت کرنی چاہیے۔ کہتے ہیں نا کہ جان ہے تو جہاں ہے۔ صحت ہو تو اِنسان کچھ کام کر سکتا ہے، زندگی اچھی گزار سکتا ہے، ورنہ بیمار آدمی تو بے چارا پڑا ہی رہتا ہے۔

پھر کیا خیال ہے، اپنی صحت کی حفاظت کریں گے نا؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایسی چیز سے اپنے آپ کو بچائیں جو صحت کے لیے مضر ہو، کوشش کریں کہ بس گھر میں بنی ہوئی اچھی اچھی چیزیں ہی استعمال کریں، دودھ، سلاد اور سبزیوں کو اپنے کھانے میں شامل کریں۔ روزانہ صبح سویرے اُٹھ کر ورزش اور چہل قدمی کی پابندی کریں اور اِس دعا کو ہر نماز کے بعد مانگیں۔ نبی کریم ﷺ یہ دعا بکثرت مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصِّحَّۃَ وَ الْعِفَّۃَ وَ الْاَمَانَۃَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَ الرِّضَا بِالْقَدْرِ۔

(الادب المفرد، من دعا الله أن يحسن خلقه، الرقم: ۳۰۷)

(اے اللہ! میں آپ سے صحت و تن درستی، پاک دامنی، امانت داری، اچھے اخلاق اور آپ کے ہر فیصلے پر راضی رہنے کی دعا مانگتا ہوں۔)

اب اجازت دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا اور صحت مند رکھے۔ آمین!

سیرت کہانی ۴۵

عبدالعزیز

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مبارک زندگی اور سیرت کے اہم واقعات پر مبنی ایک پیارا سلسلہ۔

ابو جہل اگرچہ بہت زخمی ہو چکا تھا، لیکن ابھی سانس چل رہی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن فرمایا:

''ہے کوئی جو اَبو جہل کی خبر لائے؟''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جا کر اَبو جہل کو تلاش کیا، دیکھا کہ ابھی اس کی کچھ سانس باقی ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی گردن پر پیر رکھ کر کہا:

''ہاں، اللہ کے دشمن! تجھے اللہ تعالیٰ نے ذلیل کر دیا نا!؟''

اس کے بعد اَبو جہل کا سَر کاٹ کر رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں لا ڈالا اور عرض کیا:

''یہ اللہ کے دشمن ابو جہل کا سَر ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کیا یہ ابو جہل کا ہی سَر ہے؟!

انھوں نے عرض کیا:

''جی ہاں، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! یہ ابو جہل ہی کا سَر ہے۔''

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کیا اور تین مرتبہ زبان مبارک سے فرمایا:

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اسلام کو اور اِسلام والوں کو عزت بخشی۔''

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے دو رکعت نماز شکرانے کی بھی پڑھی۔ (ابن ماجہ)

ایک حدیث میں کچھ اس طرح سے آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں ابو جہل کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ابو جہل نے آنکھیں کھولیں اور کہا:

'اے بکریوں کے چرانے والے! تُو بہت اونچے مقام پر چڑھ بیٹھا ہے!' میں نے کہا:

'تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ طاقت دی۔'

ابو جہل نے پوچھا:

'فتح کسے حاصل ہوئی؟' میں نے کہا:

'اللہ اور اُس کے رسول کو۔' کہنے لگا:

'تیرا کیا ارادہ ہے؟' میں نے کہا:

'تیرا سَر قلم کرنے کا ارادہ ہے۔' کہنے لگا:

'اچھا، یہ میری تلوار ہے، اس سے میرا سَر کاٹ، یہ بہت تیز ہے، تیرا مقصد جلدی پورا ہو جائے گا، اور دیکھ، میرا سَر شانوں کے پاس سے کاٹنا، تا کہ دیکھنے والوں کو زیادہ ہیبت ناک لگے۔

اور جب تُو محمد (ﷺ) کی طرف لوٹے تو اُنھیں میرا پیغام پہنچا دینا کہ آج تمھاری دشمنی میرے دل میں پہلے سے

زیادہ بڑھ گئی ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں:

''اس کے بعد میں نے اس کا سَر کاٹا اور اُسے لے کر آپ ؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

'یارسول اللہ! یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا سَر ہے اور اُس نے یہ پیغام بھیجا ہے۔' آپ ﷺ نے فرمایا:

'یہ میری امت کا فرعون تھا، جس کا شر اور فتنہ، موسی ؑ کے فرعون کے شر اور فتنے سے کہیں بڑھ کر تھا کہ موسیٰ ؑ کے فرعون نے مرتے وقت تو اِیمان کا کلمہ پڑھا تھا، مگر اِس امت کے فرعون نے مرتے وقت بھی تکبر ہی کے کلمات کہے۔'' اور اَبوجہل کی تلوار حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو عطا فرمائی۔

(السیر الکبیر، ج:۲، ص:۷)

ابوجہل کا لقب ابوالحکم تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے ابوجہل کا لقب دیا تھا۔ (فتح الباری)

جنگ بدر میں کئی عجیب وغریب واقعات رونما ہوئے، ان میں سے چند یہ ہیں:

حضرت عکاشہ ؓ کی تلوار لڑتے لڑتے ٹوٹ گئی، آپ ﷺ نے لکڑی ایک کا پھٹا انھیں دیا جو اُن کے ہاتھوں میں پہنچتے ہی تلوار بن گئی۔ حضرت عکاشہ ؓ اسی تلوار سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دے دی۔ اس تلوار کا نام ''عون'' تھا۔ ہر غزوے میں یہ تلوار اُن کے پاس رہتی تھی۔

(البدایہ والنہایہ، ج:۳، ص:۹۰)

عبیدہ بن سعید بن عاص بدر کے دن سر سے پاؤں تک لوہے کے لباس میں تھا، اس کی صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ حضرت زبیر ؓ نے نشانہ لے کر اُس کی آنکھ میں ایسا نیزہ مارا کہ وہ پار ہوگیا اور وہ فوراً مر گیا۔ حضرت زبیر ؓ فرماتے ہیں:

''میں نے اس کے اوپر پاؤں رکھ کر پوری قوت سے نیزہ کھینچا تب وہ نکلا، لیکن اس کے کنارے ٹیڑھے ہو گئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے بطورِ یادگار اُس نیزے کو حضرت زبیر ؓ سے مانگ لیا تھا۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد وہ نیزہ حضرت ابوبکر ؓ کے پاس رہا، پھر حضرت عثمان ؓ کے پاس، پھر حضرت علی ؓ کے پاس، پھر حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے پاس وہ نیزہ رہا۔

بدر کی لڑائی میں حضرت زبیر ؓ کو بہت سے زخم لگے۔ ایک زخم کندھے پر اِس قدر گہرا لگا کہ حضرت عروہ بن زبیر ؓ بچپن میں اس زخم میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان نے حضرت عروہ بن زبیر ؓ سے کہا:

''تم زبیر کی تلوار پہچانتے ہو؟'' حضرت عروہ بن زبیر ؓ نے کہا:

''جی ہاں۔'' عبدالملک نے کہا:

''کس طرح؟'' حضرت عروہ ؓ نے کہا:

''اس میں بدر کے دن دندانے پڑ گئے تھے۔'' عبدالملک نے کہا:

''تم سچ کہتے ہو۔'' (صحیح بخاری)

حضرت عمر بن خطاب ؓ نے اپنے کافر ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا۔

بقیہ صفحہ نمبر 36 پر

بلاعنوان ۱۸۷

محمد اکمل معروف۔ حیدر آباد

پرنسپل احسان راشدی صاحب نے جیسے ہی کار کا دَروازہ کھول کر قدم باہر نکالا اِسکول کے عملے نے ان پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کرنی شروع کر دیں۔ پچاس سے زائد اَفراد پر مشتمل یہ عملہ ان کی گاڑی کو چاروں اطراف سے گھیرے ہوئے تھا۔ ان کے نائب شمس صاحب نے آگے بڑھ کر اُنھیں پھولوں سے بنا ایک شان دار ہار پہنا دیا۔ پرنسپل صاحب حیرت زدہ سے انداز میں ان سب کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''ارے بھئی، یہ آپ سب کیا کر رہے ہیں؟ یہ آخر کس خوشی میں ہو رہا ہے؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' وہ بولے تو سب مسکرانے لگے۔

''سر! آپ دفتر میں تشریف لے چلیں۔ ہم آپ کو سب بتا دیں گے۔'' ایک قدیم استاد تنویر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تو پرنسپل صاحب کچھ نہ سمجھتے ہوئے سَر ہلانے لگے اور اُن سب کے ساتھ اپنے دفتر کی جانب بڑھے۔

احسان راشدی صاحب نے ابھی کچھ ماہ پہلے ہی اسکول پرنسپل کے طور پر اَپنا عہدہ سنبھالا تھا۔ وہ ایک فرض شناس اور بہت قابل افسر کے طور پر جانے جاتے تھے۔ وہ یونی ورسٹی کے تحت قائم اس اسکول کے پہلے بھی پرنسپل رہے تھے اور اَب ایک مرتبہ پھر اُنھیں اس عہدے کی ذمے داری سونپی گئی تھی۔

احسان راشدی صاحب کافی دنوں سے اس بات کو محسوس کر رہے تھے کہ بہت سے بچوں کے جوتے بہت پرانے، ٹوٹے ہوئے یا پھر بہت بُری حالت میں ہیں، جب کہ ان کے یونی فارم بھی جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے، بوسیدہ اور اِنتہائی خستہ حالت میں دکھائی دے رہے تھے۔

یہ سب دیکھ کر وہ دل ہی دل میں کڑھتے رہتے۔ وہ ان بچوں کے والدین کو باری باری اپنے دفتر میں بلاتے اور بچوں کی اس خستہ حالت کے بارے میں ان سے استفسار کرتے رہے۔ ان تمام والدین کی کہانی ایک جیسی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ جیسے تیسے کر کے اپنے بچوں کی تعلیم جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ وہ انھیں نیا یونی فارم یا نئے جوتے دلا سکیں۔ اس طرح کے بچوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب تھی اور پرنسپل صاحب کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ بیک وقت ان تمام بچوں کی کچھ مدد کر سکتے۔

''ایاز صاحب! بہت دل دکھتا ہے جب ان بچوں کو اِس قدر خراب حالت میں جب دیکھتا ہوں۔ جب ایک بچہ خراب حلیے میں ہو اور دوسرے بچے کے جسم پر بہترین لباس موجود ہو تو اِس غریب بچے میں پوری زندگی اعتماد کی کمی رہے گی۔ وہ زندگی کی دوڑ میں اپنے احساس کمتری کی وجہ سے دوسروں سے پیچھے رہ جائے گا۔''

پرنسپل احسان راشدی صاحب کے لہجے میں تاسف نمایاں تھا۔

''جی بالکل! آپ نے درست فرمایا، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ایسے غریب گھرانوں سے تعلق رکھنے والے بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ہم یا آپ سب کے لیے کچھ نہیں کر سکتے، سوائے افسوس کرنے کے۔''

سر اَیاز نے جواب دیا، جو خود بھی اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے رہے تھے کہ پرنسپل صاحب ان بچوں کے حوالے سے کافی فکر مند ہیں۔

''بہر حال، ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے، بل کہ کرنا پڑے گا، اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور کوئی راستہ کھول دے گا۔ بس ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔'' وہ پُرسوچ انداز میں بولے تو اَیاز صاحب نے ان کی تائید میں سر ہلایا۔

......☆......

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا جائے گا۔ ''بلاعنوان'' کے کوپن پر عنوان تحریر کر کے ارسال کریں۔

عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ **31 مارچ 2023** ہے۔

نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہ ہوگا۔

فجر کی نماز کے بعد اِحسان راشدی صاحب ناشتے سے فارغ ہو کر موبائل دیکھنے لگے۔ آج چھٹی کا دِن تھا۔ وہ چھٹی والے روز بھی اپنے معمول کے مطابق بیدار ہو جایا کرتے تھے۔ اچانک انھیں ایک خیال سوجھا۔ وہ اپنے اس خیال سے خود بھی چونک اٹھے۔ شاید یہ قدرت کی طرف سے ان کے لیے کوئی پیغام تھا۔ انھیں خیال آیا کہ کیوں نہ وہ اس حوالے سے کچھ لوگوں سے رابطہ کریں۔ کوئی ایسا شخص یا ادارہ سامنے آجائے جو مخیر حضرات میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے اس عمل سے ان غریب طالب علموں کے لیے آسانی کا کوئی راستہ نکل آئے۔ انھوں نے اس حوالے سے ایک تحریر لکھی اور اُسے آگے بھیج دیا۔ اس تحریر میں انھوں نے تفصیل سے بیان کیا تھا کہ کتنے ایسے طالب علم ہیں جنھیں اسکول یونی فارم اور جوتوں وغیرہ کی ضرورت ہے۔ ان کے اس پیغام کے کچھ دیر بعد ہی جوابات آنے لگے۔ مختلف افراد نے ان کے جذبے کو سراہا تھا۔ اچانک ایک صاحب کا جواب پڑھ کر وہ اچھل پڑے۔ وہ صاحب ان سے ان ضرورت مند بچوں کی تعداد اور اِس سلسلے میں درکار رَقم کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے۔

کچھ دیر میں احسان راشدی صاحب انھیں اس سلسلے میں تمام معلومات فراہم کر چکے تھے۔ اب انھیں ایک امید ہو گئی تھی کہ اللہ پاک نے چاہا تو ضرور کچھ نہ کچھ ہوگا۔ وہ دیر تک اس بارے میں سوچتے رہے اور پھر اَپنا موبائل ایک طرف رکھ کر اَپنے دیگر کام نمٹانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اگلے دو تین دن میں ان تمام بچوں کے لیے اسکول یونی فارم اور جوتے وغیرہ کا ایک بہت بڑا بنڈل اسکول پہنچ چکا تھا۔ اس دن بچوں کو بھی اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ ان کے لیے ضرورت کی تمام اشیا دست یاب ہو گئی ہیں۔ ان کے چہروں پر خوشی کا عالم دیدنی تھا۔ وہ مسکرا رہے تھے، چہک رہے تھے۔ ایک چھوٹی، مگر پُروقار تقریب میں یہ تمام چیزیں بچوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ وہ صاحب بھی مہمانِ خصوصی کے طور پر مدعو تھے جنھوں نے اپنی طرف سے رقم دے کر اِن بچوں کے لیے ان تمام چیزوں کا انتظام کیا تھا۔ انھوں نے اپنی مختصر گفتگو میں اس دل چسپ حقیقت کا بھی انکشاف کیا کہ وہ خود بھی اس اسکول میں پڑھا کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ انھیں ان بچوں سے ہمدردی ہو گئی تھی۔

اگلے روز پرنسپل صاحب اسکول میں اپنے عملے کے گھیرے میں تھے۔ پھولوں کی مالا پہنے جب وہ اپنے دفتر میں داخل ہوئے تو اَساتذہ کی طرف سے آویزاں کیے گئے خیر مقدمی اور ستائشی بینر لگے دیکھ کر وہ سارا ماجرا سمجھ گئے۔

’’سر! آپ کے جذبے اور عزم نے اس کام کو ممکن کر دِکھایا، جس سے سینکڑوں غریب بچوں کا بھلا ہو گیا۔ ہم سب آپ کو دِل سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔‘‘

بہت سے اساتذہ اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے اور اِحسان راشدی صاحب کی آنکھیں اپنے رب کے تشکر سے نم ہو چکی تھیں۔

عبدالرحمن سوم اندلس کا حکمران تھا۔ وہ زہد و تقویٰ اور عدل و اِنصاف کا شیدائی تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام عبداللہ اور چھوٹے کا نام عبدالحکم تھا۔

عبدالرحمن بڑھاپے کی عمر کو پہنچا تو اُس نے دونوں بیٹوں میں سے ایک کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ بیٹے دونوں ذہین تھے، لیکن بڑے بیٹے عبداللہ میں قدرے خودسری پائی جاتی تھی، جو گھر کی دیواروں کے اندر تو قابلِ قبول تھی، مگر ملک کی سرحدوں کے اندر ملک و ملت کے لیے نقصان کا باعث بن سکتی تھی۔ سلطان یا بادشاہ کا تحمل مزاج اور بُردبار ہونا عبدالرحمن کے نزدیک اچھا وصف تھا، چناں چہ اس نے عبدالحکم کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔

دارالسلطنت میں عبدالدار نام کا ایک قانون دان اور عالم تھا، لیکن وہ بڑے عہدے کا طالب تھا۔ وہ توقع کیے بیٹھا تھا کہ اسے سلطنت کا قاضی بنایا جائے گا۔ غالباً اسی مقصد کے لیے اس نے عبدالرحمن کے بیٹے عبداللہ کو اپنا دوست بنا رکھا تھا۔ عبداللہ نے اپنے باپ سے کہا بھی تھا کہ عبدالدار اِس قابل ہے کہ اسے قاضی بنایا جائے، مگر جب عبدالرحمن نے عبداللہ کو نظر انداز کر کے عبدالحکم کو اپنا جانشین بنایا تو عبدالدار، قاضی کا عہدہ نہ ملنے کی وجہ سے حکومت سے انتقام لینے پر اُتر آیا۔ اس نے عبداللہ کو اپنا آلہ کار بنانے کی ٹھان لی اور اُس سے کہا کہ بڑے بھائی کے بجائے چھوٹے بھائی کو جانشین مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹا بھائی مسندِ اقتدار پر بیٹھ کر بڑے بھائی پر حکومت کرے گا۔

عبدالدار نے عبداللہ کو خوب اکسایا، بھڑکایا اور اُسے یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ اپنا حق بزورِ شمشیر حاصل کرے۔ اس کا اس نے طریقہ یہ بتایا کہ عیسائی قبائل پہلے ہی درپردہ اسلامی سلطنت کو ختم کرنے کے لیے کہیں نہ کہیں مسلح بغاوت کرتے رہتے ہیں، لہٰذا عبداللہ یوں کرے کہ کسی علاقے میں چل کر عیسائی لڑاکا قبائل کو ساتھ لے اور سلطنت کے خلاف بغاوت کر دے۔ عبدالدار نے اسے کہا کہ وہ اس کے ساتھ ہوگا۔

عبداللہ کی فطری خودسری نے اسے بغاوت پر آمادہ کر دیا، جس کی وجہ سے اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا۔ تخت و تاج کی ہوس نے اسے پاگل کر دیا۔ چناں چہ ایک روز وہ گھر سے غائب ہوگیا۔ کچھ لوگ عبدالدار کے معتقد بھی تھے۔ اس نے ان میں سے چند آدمی ساتھ

انصاف کی خاطر

دانیال حسن چغتائی۔ کہروڑ پکا

لے لیے اور کسی عیسائی قبیلے تک بھی رسائی حاصل کرلی۔ انھیں عبدالدار اور عبداللہ نے بغاوت پر آمادہ کرلیا۔ وہ لوگ اس لیے فوراً آمادہ ہوگئے کہ بادشاہ کا اپنا بیٹا بغاوت میں شریک تھا۔

بغاوت شروع کردی گئی اور باغیوں نے قرطبہ کے گردونواح میں فوجی چوکیوں پر چھاپے مارنے شروع کردیے۔ دوسری طرف عبدالرحمن سوم اور عبدالحکم کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا۔ یہ کام ان مسلمانوں کو سونپا گیا جو عبدالدار کے معتقد تھے۔ وہ اس مقصد کے لیے چل پڑے۔ وہ دن کے وقت عبدالرحمن سوم کے دربار میں پہنچے۔

''فرماں روائے ہسپانیہ کا اقبال بلند ہو۔'' ان میں سے ایک نے عبدالرحمن سوم سے کہا۔ ''ہم آپ کو اور آپ کے بیٹے اور ولی عہد عبدالحکم کو قتل کرنے آئے ہیں۔''

دربار میں سناٹا طاری ہوگیا۔ عبدالرحمن سوم دور اَندیش انسان تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ اس سازش کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے جو اُندلس کے کسی نہ کسی گوشے سے سر اُٹھاتی رہتی ہے اور یہ لوگ کوئی راز فاش کرنے آئے ہیں۔

تمھیں ہمارے اور ہمارے بیٹے کے قتل کے لیے کس نے بھیجا؟''

عبدالرحمن سوم نے پوچھا۔ ''اور کیا وجہ ہے کہ تم نے بھرے دربار میں آکر ہمیں للکارا ہے؟''

''ہمیں آپ کے بیٹے عبداللہ اور عبدالدار نے بھیجا ہے۔'' اس شخص نے جواب دیا۔ ''اور ہم نے فرماں روائے ہسپانیہ کو للکارنے کی جرات نہیں کی۔ ہم عبدالدار کو ایک عالم سمجھتے تھے، جس کے فتوے مستند ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ہم اس کے معتقد تھے، مگر اُس نے ہم پر ثابت کردیا کہ علم اور اِیمان کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ جو علم ایک عادل بادشاہ کو قتل کرنے کی اجازت دے اس سے ہم بے علم اچھے۔ ہم نے آپ کے بیٹے عبداللہ اور عبدالدار سے کہا کہ ہم آپ کو قتل کر آئیں گے، لیکن ہم نے دل سے اس اقدام کو مانا نہیں۔ ہم کسی انعام کے لالچ میں مخبری نہیں کر رہے۔ ہم اسلام کی عظمت کی خاطر یہ راز فاش کر رہے ہیں کہ قرطبہ کے گردونواح میں سلطنت کے خلاف بغاوت شروع ہوچکی ہے اور یہ بغاوت اس تخت کے لیے ہے جس پر آپ بیٹھے ہیں۔

''تم انعام کے مستحق ہو۔'' عبدالرحمن سوم نے کہا: ''اور اگر تمھارا اِلزام سچا نہ ہوا تو تم ہمارے حکم سے قتل ہوگے۔''

''ہم انعام کے مستحق نہیں۔'' اس شخص نے کہا۔ ''ہم نے آپ کی جان نہیں بچائی۔ ہم سلطنت کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ سلطنت صرف آپ کی نہیں، ہماری بھی ہے اور یہ ہمارا اور ہر ایک کا فرض ہے کہ سلطنت کو دُشمنوں سے بچائے۔ فرض ادا کرنے کی اجرت نہیں لی جاتی۔''

تھوڑی دیر بعد اِلزام سچ ثابت ہوگیا۔ یہ اطلاع آئی کہ باغیوں نے فوجی چوکیوں اور فوجی قافلوں پر حملہ کرکے نقصان پہنچایا ہے۔ عبدالرحمن سوم نے اسی وقت اپنے سالار کو حکم دیا کہ باغیوں کے خلاف فوراً فوج روانہ کی جائے اور اُن کے سرغنوں کو زندہ پکڑا جائے۔

بغاوت ابھی شروع ہوئی ہی تھی، باغیوں نے اتنا زیادہ نقصان نہیں کیا تھا اور اُن کی تعداد بھی کم تھی۔ فوج نے انھیں بے خبری میں جالیا۔ باغیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ عبداللہ اور عبدالدار پکڑے گئے۔ عبدالرحمن نے دونوں کو قید خانے میں الگ الگ بند کرنے اور اُن کے جرم کی تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔ عبدالدار نے قید خانے میں پہلی رات ہی خودکشی کرلی۔ عبداللہ کے خلاف بغاوت اور فوج کے متعدد اَفراد کے قتل کا جرم ثابت ہوگیا۔ قاضی نے اس کے لیے سزائے موت پر اپنی مہر ثبت کردی۔

عبداللہ کے چھوٹے بھائی عبدالحکم نے اپنے باپ سے التجا کی:

''وہ آخر آپ کا بیٹا اور میرا بھائی ہے، اسے بخش دیا جائے۔''

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اپنے نوجوان بیٹے کو جلاد کے حوالے کرکے میں خوش رہوں گا۔'' عبدالرحمن سوم نے کہا۔ ''کل جب جلاد کی تلوار اُس کا سر اُس کے دھڑ سے جدا کرے گی تو میرا دِل کٹ جائے گا، لیکن اگر میں نے اسے زندہ رہنے دیا تو یہ سلطنت کٹ کر ختم ہوجائے گی۔ عبداللہ کے مرنے پر صرف میں روؤں گا، تم

روؤ گے، تمھاری ماں اور بہنیں روئیں گی، مگر وہ زندہ رہا تو اِسلام کی تاریخ روئے گی۔‘‘

عبدالحکم اپنے باپ کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

’’سنو میرے بیٹے!‘‘ عبدالرحمن سوم نے کہا۔ "اگر میں اسے بخش دوں تو میرے بعد یہ بادشاہت تم دونوں کے درمیان جھگڑے کی وجہ بنی رہے گی۔

تم دونوں کی توجہ ملک اور قوم سے ہٹ جائے گی۔ تم ایک دوسرے کے تخت اُلٹو گے، زبردستی ایک دوسرے سے بادشاہت چھینو گے۔ ایسی قومیں بھی گزری ہیں جنھیں یوں تاج و تخت نے تباہ کر دیا تھا۔ سزا صرف ان لوگوں کو نہیں ملتی جو حکومت کے لالچی ہوتے ہیں، بل کہ پوری قوم اس کا ایندھن بن جاتی ہے۔

ہم کفار میں گھرے ہوئے ہیں، پورا عالم اسلام کفار میں گھرا ہوا ہے۔ عبداللہ مر جائے گا تو صرف ہم روئیں گے اور تم دونوں زندہ رہے تو ہماری قوم کی نہ جانے کتنی عورتیں بیوہ ہوں گی، نہ جانے کتنے بچے یتیم ہوں گے۔ نہ جانے کتنی مائیں اپنے جوان بیٹوں کی موت پر روئیں گی۔ ملک میں قحط پڑ جائے گا۔ بدامنی اور بدنظمی کا دور دورہ ہوگا اور تم دونوں بھائی اپنے اپنے گروہ بنا کر حکومت حاصل کرنے میں لگے رہو گے۔

پھر تم مجھے بتاؤ کہ اگر یہی جرم، جو عبداللہ نے کیا، کوئی اور کرتا تو کیا اسے فوراً جلاد کے حوالے نہ کر دیا جاتا۔ تم کہتے ہو کہ میں تمھارے بھائی کا یہ گناہ معاف کر دوں۔ تم اپنے خاندان کی تاریخ میں یہ ذلت شامل کرنا چاہتے ہو کہ اس خاندان کے ایک بادشاہ نے اپنے بیٹے کا بغاوت کا جرم معاف کر دیا تھا۔ میں ملک و قوم اور اِنصاف کی خاطر اپنے بیٹے کو قربان کرتا ہوں۔‘‘

بالآخر دوسری صبح عبداللہ کو جلاد کے حوالے کر دیا گیا۔

(ماخذ: حیاتِ تابعین کے درخشاں پہلو، از محمود احمد)

چُن اور مُن

حسن آرا۔ ملکوال

پیارے بچو! ایک گھنے جنگل میں دو چڑیاں رہتی تھیں، بالکل چھوٹی سی! نام تھا ان کا چُن اور مُن ۔

چُن چڑیا ویسے تو بہت اچھی تھی، لیکن اس میں ایک بُری عادت تھی۔ وہ یہ کہ وہ سب سے الگ تھلگ ہو کر کھانا کھاتی تھی۔ درخت پر رہنے والے باقی تمام پرندے تو مل جل کر کھاتے تھے۔ وہ سب مل کر کھلے آسمان کے نیچے اپنے پَر پھیلا کر خوب اڑتے پھرتے اور اِدھر اُدھر، یہاں وہاں کھانے پینے کی چیزیں تلاش کرتے تھے۔ سب کا آپس میں بہت اتفاق تھا۔

لیکن چُن چڑیا، اکیلے ہی نکل جاتی اور دانے اٹھالاتی، پھر اپنے گھونسلے میں آ کر اکیلی ہی کھالیتی۔ وہ کسی کے ساتھ بھی بانٹ کر نہیں کھاتی تھی۔ اس نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ کچھ دانے اپنے آس پڑوس والوں کو دے دوں یا کسی پرندے سے ہی پوچھ لوں کہ آج اسے کھانا ملا ہے یا نہیں۔ وہ تو بس اپنے بارے میں سوچتی تھی۔

مُن چڑیا، جو کہ اس کی سہیلی تھی، اسے بہت سمجھاتی تھی، مگر چُن چڑیا نے اپنی عادت برقرار رکھی۔

ایک مرتبہ جنگل میں زوردار طوفان آیا۔ صبح تک سب پرندوں کے گھونسلے خراب ہو چکے تھے۔ خیر، انھوں نے مل جل کر اپنے گھر ٹھیک کیے اور کھانے کی تلاش میں نکل گئے۔

چُن چڑیا کا بھی پورا گھونسلا خراب ہو گیا تھا۔ سب پرندے اپنے ٹھکانے دوبارہ بنا کر خوراک کی تلاش میں جا چکے تھے۔ اس نے سوچا، چلو میں بھی اپنا گھر ٹھیک کرتی ہوں، لیکن یہ کیا! ابھی تھوڑا سا کام ہی کیا تھا کہ اس کے پَروں میں درد شروع ہو گیا۔ شام تک اسے ہلکا ہلکا سا بخار بھی ہونے لگا۔ وہ کھانے کی تلاش میں بھی نہیں جا سکی۔

"اب کیا کروں؟" اسے سخت بھوک بھی لگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُسے بہت ساری آوازیں آنے لگیں۔ چُن چڑیا کی سہیلیاں واپس آ گئی تھیں۔ ان کے پاس بہت سارا کھانا موجود تھا، جو اَب وہ بیٹھ کر آرام سے کھا رہی تھیں۔

کھانا کھاتے ہوئے مُن کی نظر چُن پر پڑی، جو اُداس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کچھ دانے لیے اور چُن کے پاس آ گئی۔

"پیاری دوست! کھانا کھالو۔ تم نے شاید ابھی تک کچھ نہیں کھایا، گھونسلا بنانے میں ہی لگی رہی ہو۔"

یہ سن کر چُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بہت شرمندہ ہوئی۔ اس نے تو آج تک کسی کی مدد نہیں کی تھی، حتیٰ کہ کسی کو کھانے کی دعوت تک نہیں دی تھی۔

چاول کے دانے دیکھ کر اُس کی بھوک چمک اٹھی اور اُس نے جلدی جلدی کھانا شروع کر دیا، پھر سب چڑیوں نے مل کر اُس کی خدمت کی، کیوں کہ اسے بہت تیز بخار تھا۔ اس کے تن درست ہونے تک سب نے اس کا خیال رکھا اور اپنے کھانے میں سے اسے بھی دیتی رہیں۔

پیارے دوستو! چُن چڑیا کو اَب محسوس ہونے لگا کہ مل جل کر رہنا کتنا اچھا ہوتا ہے۔ اب وہ روز اپنی سہیلیوں کے ساتھ جاتی ہے اور سب کے ساتھ مل کر کھانا کھاتی ہے اور جسے بھی مدد کی ضرورت ہو اُس کی مدد بھی کرتی ہے۔

ابو غازی محمد۔ کراچی

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔

اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیجیے اور اَپنی معلومات کا انعام ہم سے پایئے۔ آپ کا جواب ۲۸، فروری تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

۱ یہ ملک مشرقِ وسطیٰ میں واقع ہے۔

۲ اس ملک کا کُل رقبہ 1,960,582 مربع کلومیٹر ہے۔

۳ یہ ملک خلافت عثمانیہ (ترکی) کے ماتحت بھی رہا ہے۔

۴ ایک عرب سردار نے 13، جنوری 1902ء کو اپنے صرف دس ساتھیوں کی مدد سے اس کے دارالحکومت کا قلعہ فتح کر کے دنیا کو حیران کر دیا۔ عرب سردار نے اس کے بعد وہ تمام علاقے فتح کیے جن پر 1881ء میں خاندانِ ابن رشید کے امیر حائل نے اس کے والد کو شکست دے کر قبضہ کر لیا تھا۔

اس ملک کے دو بڑے صوبے فتح کرنے کے بعد عرب سردار نے 23، ستمبر 1923ء کو ایک سلطنت کی بنیاد رکھی، جس پر اَب تک اس سردار کے خاندان کی حکومت قائم ہے۔

۵ یہاں دنیا کا سب سے بڑا ہوائی اڈا بھی ہے۔

تنویر پھول۔امریکا

دین اللہ کا صرف اسلام ہے
آخری اس کا ، قرآن پیغام ہے

ہوں وہ آدم کہ نوح و براہیم سب (علیہما السلام)
سچے مسلم تھے ، قرآں میں کہتا ہے رب

خاتم الانبیا تک جو آئے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علیہم السلام)
سب نے تعلیم دی دینِ اسلام کی

جو ہے مسلم ، وہ فرمانِ رب مانتا
ایک معبود برحق کو ہے جانتا

اپنے خالق کے احکام پر ہو عمل
دین و دنیا میں پائیں گے ہم اس کا پھل

آچکے جگ میں ہیں خاتم الانبیا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
اب نہ آئے گا کوئی نبی دوسرا

روز قرآں پڑھو ، غور اس پر کرو
یاد رکھنا سدا ، پھول کی بات کو

دس سال سے زائد عمر کے بچوں کے لیے

انو منو کا دستر خوان ۸

انعم توصیف۔ کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

پیارے قارئین! انو منو حاضر ہے ایک اور مزے دار ترکیب کے ساتھ۔

اس ماہ کے آخری ایام میں رمضان المبارک کا بابرکت مہینا آ رہا ہے۔ اس ماہ مبارک میں اللہ پاک ہر نیکی کا ثواب بڑھا کر ہمیں دیتے ہیں۔ اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

چلتے ہیں ترکیب کے اجزا کی جانب۔

اجزا:

تیل	حسبِ ضرورت
آلو	دو عدد (بڑے سائز کے)
مٹر	ایک پاؤ
میدہ	ڈھائی کپ
گھی	چار کھانے کے چمچے
نمک	حسبِ ذائقہ
پسی ہوئی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
ثابت زیرہ	آدھا چائے کا چمچ
کٹا ہوا زیرہ	آدھا چائے کا چمچ
پسا ہوا لہسن ادرک	آدھا چائے کا چمچ
املی کا گودا	آدھی پیالی
چینی	تین چائے کے چمچے
کھجور	چار عدد

ترکیب:

سب سے پہلے آلو چھیل کر اُن کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے

کیجیے اور اُبلتے ہوئے گرم پانی میں ان ٹکڑوں کو ڈال دیجیے۔ ساتھ ہی مٹر چھیل کر اُن ٹکڑوں کے ساتھ ڈال دیجیے۔ جتنی دیر میں آلو اور مٹر اُبلیں گے، اتنی دیر میں ہم اپنے دیگر کام مکمل کر لیں گے، ان شاء اللہ!

اب ایک پیالے میں میدہ لے کر اُس میں تین کھانے کے چمچ گھی اور حسبِ ذائقہ نمک ڈال کر تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر اُسے گوندھ لیں۔ آٹا گوندھنا ہرگز بھی مشکل کام نہیں ہے۔ آپ اسے گوندھ کر پندرہ سے بیس منٹ رکھ دیجیے، پھر اُس کے بعد کمال دیکھیے۔ اب ہم جتنی دیر کے لیے میدے کو چھوڑیں گے اتنی دیر میں جھٹ پٹ مزے دار سی چٹنی تیار کر لیں گے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ تیار کیا ہو رہا ہے؟ جو ایک کام کے بعد دوسرا کام کیے چلے جا رہے ہیں۔ صبر کیجیے بھئی! صبر کا پھل بہت میٹھا ہوتا ہے۔ چلیے، ہم بناتے ہیں کھٹی میٹھی چٹنی۔ املی کے گودے کو جوسر مشین میں ڈالیے، اس میں چینی، آدھا کھانے کا چمچہ پسی ہوئی لال مرچ، کھجور، ثابت زیرہ، حسبِ ذائقہ نمک اور تھوڑا سا پانی ڈال دیجیے۔ اب جوسر چلائیے، لیکن دھیان سے۔ مزے دار چٹنی چند ہی سیکنڈوں میں آپ کے سامنے ہوگی۔

اب تک آلو اور مٹر اُبل چکے ہوں گے۔ انھیں اچھی طرح پیس لیجیے۔ جتنی دیر میں ان کا درجہ حرارت کم ہوگا اتنی دیر میں آپ ہاتھ پانی سے تَر کیجیے اور میدے کو ایک مرتبہ دوبارہ گوندھیے۔ اس مرتبہ جو آپ گوندھیں گے تو میدہ خود بخود ہی نرم اور ملائم ہو جائے گا۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ آپ نے ایک بار اُسے گوندھنے کے بعد تھوڑی کے لیے چھوڑ دیا اور پھر دُوبارہ اسے گوندھا۔ اس سے آپ نے سیکھا کہ کوئی کام جتنی محنت سے اور آرام سے کیا جائے اس میں اتنی ہی خوب صورتی پیدا ہو جاتی ہے۔

اب فرائی پین میں ایک کھانے کا چمچ گھی ڈال کر اُس میں پسا ہوا لہسن ادرک، آدھا کھانے کا چمچ لال مرچ، نمک اور کُٹا ہوا زیرہ ڈال دیں۔ ان سب چیزوں کو تھوڑا سا بھون کر اِن میں آلو اور مٹر ملا کر اچھا سا آمیزہ بنا لیجیے۔ اب میدے کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنائیں اور آمیزے کی چھوٹی چھوٹی گیند بنا لیجیے۔ جتنے پیڑے ہوں اتنی ہی گیندیں بنائیے۔ اب ایک ایک پیڑا لے کر اُسے بیلیے، اس کے درمیان ایک گیند رکھیے، پھر اُسے سب طرف سے بند کیجیے اور بیضوی شکل دے دیجیے۔ اسی طرح بقیہ پیڑوں اور گیندوں کے ساتھ کیجیے۔ اب انھیں فریج میں رکھ دیجیے اور جب آپ کو سہولت ہو تیل گرم کر کے اس میں ڈال کر تل لیجیے۔ گھر کے کسی بڑے سے اس سلسلے میں مدد لیجیے۔

ایک بات کا دھیان رکھیے گا کہ افطار کے وقت کی دعائیں بڑی قیمتی ہوتی ہیں۔ آپ اس چکر میں کہ گرم گرم کچوریاں کھائیں گے تو مزہ آئے گا، کہیں دعا کے وقت کو نہ گنوا بیٹھیں۔ افطار میں بھی پکوڑوں کی جگہ یہ کچوریاں بہترین رہیں گی، ان شاء اللہ! مزے کی بات یہ ہے کہ یہ کچوریاں آپ کے معدے پر زیادہ بوجھ بھی نہیں ڈالیں گی، ان شاء اللہ!

گرم کھولتے ہوئے تیل میں ڈال کر درمیانی آنچ پر تلیے گا، تاکہ کچوریاں اندر سے اچھی طرح پک جائیں۔ گرم تیل میں ڈالیں گے تو کچوریاں پھولیں گی، ورنہ نہیں پھولیں گی۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا دھیان رکھنے سے کھانا پکانے میں وقت کے ساتھ ساتھ بہتری آتی جاتی ہے، اس لیے ان پر عمل کیجیے۔

اب جب یہ کچوریاں آپ کے سامنے ہوں گی تو اُنھیں دیکھ کر جو تھکن انھیں بناتے ہوئے آپ کو ہوئی ہوگی، وہ ساری تھکن رفو چکر ہو جائے گی، ان شاء اللہ! کیوں کہ یہ دیکھنے میں اس قدر پیاری لگیں گی اور چٹنی کے ساتھ کھانے میں تو بس......

بس کے آگے تو آپ کو کھا کر ہی معلوم ہوگا۔

نام بھی انھیں آپ اپنی مرضی سے دے سکتے ہیں۔ موٹی تازی کچوریاں یا خستہ کچوریاں وغیرہ۔

انو منو نے تو یہ کچوریاں بنا کر کھا بھی لیں اور سب کو کھلا بھی دیں۔ آپ بھی ضرور بنائیے گا، ان شاء اللہ! سب کو یہ کچوریاں کھٹی میٹھی چٹنی کے ساتھ بے حد پسند آئیں گی۔

انو منو کی ترا کیب اور باتیں آپ کو پسند آتی ہوں تو کیا کرنا ہے، یاد ہے نا!؟ انو منو کو دُعا میں یاد رکھنا ہے۔ اللہ حافظ!

بکھرے موتی

قارئین

☆ علم، عمل کو آواز دیتا ہے۔ اگر عمل آجائے تو علم بھی باقی رہتا ہے، ورنہ رخصت ہو جاتا ہے۔

☆ موت کو ہمیشہ یاد رکھنا ہے، مگر موت کی آرزو نہیں کرنی۔

☆ زیادہ فضول گفتگو، سوچ اور فکر کو مُردہ کردیتی ہے۔

☆ انسان، زبان کے پردے میں چھپا ہوتا ہے۔

☆ کسی پر نہ اتنی سختی کرنی چاہیے کہ وہ بے زار ہو جائے اور نہ اتنی نرمی کہ وہ سوار ہو جائے، بل کہ اعتدال پسندی اختیار کرنی چاہیے۔

(فاطمہ بنت عبدالمتین۔ کراچی)

☆ موتی اگر کیچڑ میں گر جائے تو بھی وہ موتی ہی ہے اور قیمتی ہی ہے اور گندگی اگر آسمان پر بھی چلی جائے تو بھی گندگی ہے اور بے قیمت ہی ہے۔

☆ جو آدمی سوچ کر بات نہیں کرتا وہ اس کے جواب پر بگڑتا ہے۔

☆ دو قسم کے انسان ملک اور دین کے دشمن ہوتے ہیں:
ایک وہ بادشاہ جس میں حلم اور بردباری نہ ہو، دوسرا وہ عابد جس میں علم نہ ہو۔

(اذعان بنت محمد سفیان۔ کراچی)

☆ بادشاہوں کو وہی شخص نصیحت کرسکتا ہے، جسے نہ جان کا خوف ہو نہ مال کی تمنا اور لالچ ہو۔

☆ جو کمزوروں پر رحم نہیں کرتا وہ زبردستوں کے ظلم میں پھنستا ہے۔

☆ جو ذات ہمیں مال دار نہیں بنا رہی وہ ہماری مصلحت ہم سے زیادہ بہتر جانتی ہے۔

☆ لالچی کے لیے اپنا دروازہ نہیں کھولنا چاہیے، اگر کھل گیا تو پھر بند نہیں ہو سکے گا۔

☆ اگر مال دار بننا چاہتے ہو تو سوائے قناعت کے کچھ طلب نہ کرو۔

☆ اگر کوئی مانگنے والا عاجزی سے مانگے تو اُسے دے دو، ورنہ کوئی ظالم زور سے لے لے گا۔

☆ شر پھیلانے والا خود بھی شر میں پھنس جاتا ہے۔

(عائشہ سلمان۔ حیدرآباد)

☆ مغرور شخص کے بارے میں یہ خیال بے کار ہے کہ وہ سچی اور صحیح بات سن لے گا۔

☆ اچھا سوچنا اور کسی اچھی بات کہنے والے کی مان لینا، ایک ہی بات ہے۔

(محمد حسین۔ سکھر)

☆ دشمن کے لیے بھی اتنی آگ نہیں بھڑکانی چاہیے کہ آگ بھڑکانے والا خود جھلس جائے۔

(محمد اسد بیگ۔ لاہور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم کی برکت

محمد حذیفہ رفیق زم زمی۔ کراچی

نبی کریم ﷺ کے ایک غلام اور خادم حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک عرب دیہاتی مہمان آیا۔ آپ علیہ السلام ازواجِ مطہرات کے مکانات کے سامنے تشریف فرما تھے۔ آپ علیہ السلام اس سے گفتگو فرمانے لگے اور یمن کے علاقے کے لوگوں کے بارے میں پوچھنے لگے، جو بظاہر قریبی زمانے میں مسلمان ہوئے تھے۔ آپ علیہ السلام اس سے وہاں کے حالات پوچھ رہے تھے کہ لوگ اسلام سے خوش ہیں؟ نماز کا اہتمام ان میں کیسا ہے؟ اس طرح کے دیگر سوالات آپ علیہ السلام اس سے کر رہے تھے اور وہ دیہاتی آپ کو وہاں کے اچھے حالات سنا رہا تھا، جنھیں جیسے سن کر آپ علیہ السلام کے چہرے پر خوشی کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

'یہاں تک کہ میں آں حضرت ﷺ کے چہرے کو (خوشی سے) چمکتا ہوا دیکھ رہا تھا۔'

باتیں کرتے کرتے زوال کا وقت ہو گیا اور کھانے کا وقت ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے مجھے چپکے سے بلایا اور اِس بات کی پوری احتیاط کی اس دیہاتی شخص کو اندازہ نہ ہوا کہ آپ کیا گفتگو کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

’عائشہ کے پاس جاؤ اور اُنھیں بتاؤ کہ اللہ کے رسول کا مہمان آیا ہے۔‘‘

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے جا کر پیغام عرض کیا تو وہاں سے اماں جان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

’’قسم اس ذات کی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت اور دِین حق کے ساتھ بھیجا ہے، صبح سے میرے گھر میں انسان کے کھانے کے قابل کوئی چیز نہیں۔‘‘

انھوں نے آ کر یہ جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا تو آپ نے دیگر ازواج مطہرات کے گھروں پر باری باری یہی پیغام بھجوایا۔ ہر گھر سے وہی جواب آیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے گھر آیا تھا۔

اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افسردہ ہو گئے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ بدلتے دیکھا۔‘‘

اب تک وہ دیہاتی ماجرا سمجھ چکا تھا۔ اس نے آپ علیہ السلام سے عرض کیا: ’’ہم دیہات کے لوگ ہیں، مشقتوں کے عادی ہیں، سادگی ہماری زندگی کا حصہ ہے۔ ہم شہر والوں کی طرح نہیں ہیں، ہمارے لیے تو ایک مٹھی کھجور بھی بہت ہے اور اُس کے اوپر دودھ یا پانی پینا نصیب ہو جائے تو یہ ہمارا بہت اچھا کھانا ہے۔‘‘

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’اتنے میں سامنے سے ہماری ایک بکری گزری، جس کا دودھ دو پیالے نکالا جا چکا تھا، اس کا نام ’’ثمر‘‘ تھا۔

آپ علیہ السلام نے اسے نام سے پکار کر بلایا: ’’ثمر، ثمر!‘‘

وہ تیز تیز چلتی ہوئی آپ علیہ السلام کے پاس آ گئی۔ آپ نے اس کی ٹانگوں کو پکڑا اور کہا:

’’بسم اللہ!‘‘ پھر باندھنے لگے اور کہا:

’’بسم اللہ!‘‘

پھر اُس کی ناف پر اَپنا دست اقدس پھیرتے ہوئے کہا:

’’بسم اللہ!‘‘ یہاں تک کہ اس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا۔ آپ نے مجھ سے برتن منگوایا۔ میں نے ایک پیالا پیش کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بسم اللہ پڑھ کر دودھ دھویا۔ وہ پیالا بھر گیا۔ آپ نے دیہاتی کو پیش کیا۔ اس نے خوب سیر ہو کر پیا، پھر پیالا نیچے رکھنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’اور پیو۔‘‘ اس نے پھر پیا، پھر رکھنے لگا، پھر آپ علیہ السلام نے یہی فرمایا، اس نے پھر پیا۔ اسی طرح ہوتا رہا، یہاں تک کہ اس سے زیادہ پینے کی اس میں طاقت نہ رہی۔

پھر دوبارہ آپ علیہ السلام نے دودھ دھویا اور فرمایا:

’’یہ عائشہ کو پہنچا کر آؤ۔‘‘

اماں جان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے سیر ہو کر پیا، پھر میں وہ برتن واپس آپ علیہ السلام کی خدمت میں لے آیا۔ آپ نے دوبارہ بسم اللہ پڑھ کر اُس میں دودھ دھویا اور دُوسری زوجہ کے پاس بھیجا۔ وہاں سے واپس آیا تو دوبارہ بسم اللہ بڑھ کر دھویا۔ اس طرح تمام ازواج مطہرات امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے پاس بھجوایا۔ ہر ایک اسی طرح سیر ہو کر برتن واپس کرتیں۔ آپ علیہ السلام نے پھر بسم اللہ پڑھ کر دودھ دھویا، یہاں تک کہ وہ برتن بھر گیا۔

آپ علیہ السلام نے مجھے دیا۔ میں نے اس پیالے میں اپنے ہونٹ عین اس جگہ رکھے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہونٹ رکھے تھے۔ وہ دودھ جو میں نے پیا، وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور مُشک سے زیادہ خوش بُودار تھا۔

(اس سے پتا چلتا ہے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کو دینے سے پہلے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تناول فرمایا تھا۔ اگرچہ روایت میں اس کا تذکرہ نہیں ہے، لیکن حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا اپنے ہونٹ اس جگہ رکھنا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہونٹ رکھے تھے، اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔)

اس کے بعد آپ علیہ السلام نے فرمایا:

’’اے اللہ! اس (بکری) میں اس کے گھر والوں کے لیے برکت ڈال دے۔

(السلسلة الصحيحة، الرقم: ۱۹۷۷)

(ماخوذ از: المختار، ص: ۱۶۱، بحوالہ تاریخ واسط: ۶۱، ۶۲)

الطاف حسین۔کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۳۱، مارچ تک ارسال کر دیجیے، ہم آپ کو اِس کا انعام روانہ کر دیں گے۔ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو اِنعام سے نوازا جائے گا۔کوپن پُر کر کے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

١ قرآن مجید کی تین سورتوں کا آغاز ''یاایھا النبی'' سے ہوتا ہے۔(سورۂ احزاب، سورۂ طلاق اور سورۂ تحریم)...... بتائیے قرآن مجید کی کون سی تین سورتوں کا آغاز ''یاایھا الذین'' سے ہوتا ہے؟

٢ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۲، رمضان، ۸ ہجری کی صبح ''بئرِ طوی'' (طویٰ کے کنویں) کے پانی سے غسل فرما کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے...... آپ ''بئرِ جعرانہ'' کی وجہ شہرت بتائیے۔

٣ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی کنیت ''ابوعبداللہ'' تھی...... بتائیے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کی کنیت کیا تھی؟

٤ ''وضو'' کی سنتوں کی تعداد گیارہ ہے...... آپ یہ کہ بتائیے کہ غسل کی سنتوں کی تعداد کتنی ہے؟

٥ الجزائر نے 3، جولائی 1962ء کو فرانس سے آزادی حاصل کی تھی...... کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ نائیجیریا، یکم اکتوبر 1960ء کو کس ملک کے تسلط سے آزاد ہوا تھا؟

٦ وٹامن (حیاتین) B6 کی کمی سے انسان کو جلدی امراض کے ساتھ ساتھ فالج کا خطرہ بھی لاحق ہو سکتا ہے...... بتائیے وٹامن (حیاتین) K کی کمی سے انسان کو کون سا مرض لاحق ہو جاتا ہے؟

٧ ''جان نہ پہچان، بڑی خالہ سلام'' اردو زبان کی ایک مشہور ضرب المثل ہے، جس کا مطلب ہے: ''جان پہچان کے بغیر ہی واقفیت جتانا''...... بتائیے ''لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا'' کا کیا مطلب ہے؟

دودھ کا دودھ پانی کا پانی

مہوش اشرف۔ کراچی

تحصیل فضل پور سے بیس کلومیٹر دور ایک چھوٹا، پر جدید طرز کا ایک صاف ستھرا گاؤں "جمعہ گاؤں" کے نام سے مشہور تھا۔ وہاں دور دُور تک کوئی باڑا نہیں تھا، ایسے میں کریم داد کا باڑا پورے گاؤں کو اکیلے ہی دودھ، دہی، مکھن اور پنیر فراہم کرتا تھا۔ کریم داد کی کمائی اچھی ہو رہی تھی۔ گاؤں میں اس کی عزت بھی بہت تھی۔ یہاں خوش حالی اور اِیمان داری کا راج تھا۔

صبح صبح کریم داد سب گاؤں والوں کو اُن کی ضرورت کے مطابق دودھ، دہی، مکھن اور پنیر فراہم کرتا۔ خالص دودھ، دہی اور تازہ مکھن اور پنیر سب گاؤں والوں کی صحت مند زندگی میں اہم کردار اَدا کرتا تھا۔

تحصیل فضل پور میں ایک بہترین بیکری بھی تھی، جو دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی تھی، کیوں کہ بیکری کا مالک ارشد شہر سے تھا اور جدید اَنداز کی نت نئی چیزیں متعارف کروانے کے بعد کافی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ چوں کہ اچھی شہرت کا حامل تھا تو جمعہ گاؤں کے با اثر اَفراد سے ملاقاتوں کے بعد کاروبار کو وسیع کرنے کی نیت سے اُس نے جمعہ گاؤں کا رُخ کیا اور بیکری کی ایک نئی شاخ کھول لی۔ پہلے پہل تو گاؤں والوں نے دیسی کھانوں کی جگہ بیکری کی بنی اشیا کو قبول نہیں کیا، پر بچوں کے اصرار پر یہ جدید طرز کی چیزیں بھی خریدی جانے لگیں۔

ارشد نے کریم داد سے رابطہ کیا اور اپنی ضرورت کے مطابق دودھ اور مکھن وغیرہ کی خریداری کے لیے بات چیت کی۔

''کریم داد بھائی! میرا کاروبار بہت چھوٹا سا ہے۔ ابھی تو تازہ تازہ شروعات ہے۔'' نرخ طے کرتے وقت ارشد نے کریم داد سے رعایت طلب کرتے ہوئے کہا۔

''کتنا دودھ کافی رہے گا؟'' کریم داد نے سوال کیا۔

''بس ایک بڑا کین۔'' ارشد نے جواب دیا۔

''مکھن اور پنیر؟''

''پاؤ پاؤ بھر کے ۱۲ پیکٹ دونوں کے۔''

''چلو ٹھیک ہے، پرانے نرخ پر ہی دے دوں گا پندرہ دن، پھر معیار دیکھ کر فیصلہ کرنا۔ مہنگائی بہت ہے، قیمت خرید پر دے رہا ہوں، اس میں بچت کچھ بھی نہیں۔''

کریم داد نے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے دو ہفتے کی ہامی بھر لی۔ یوں دونوں کو سہولت کے ساتھ آمدنی شروع ہوگئی۔ اِدھر دودھ دہی خوب بک رہا تھا اُدھر نت نئی چیزیں۔

کچھ دنوں تک تو سب کچھ ٹھیک چلتا رہا، مگر چند دِنوں کے بعد بیکری کی چیزیں سخت ہونے ہونے لگیں اور اَشیا غیر معیاری سی دکھائی دینے لگیں۔ ارشد کافی پریشان تھا۔ گاؤں کے لوگوں نے خریداری کم کر دی تھی اور کاروبار میں خسارہ ہونے لگا تھا۔ ارشد نے وجہ تلاش کرنے کی ٹھانی اور ہر ایک چیز کا معیار اور وزن وغیرہ چیک کیا، بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ہو نہ ہو، یہ کریم داد، مکھن کے ناپ تول میں ڈنڈی مار رہا ہے۔

اب جب کریم داد نے بیکری کے لیے خام اشیا فراہم کیں تو بِل ادا کرنے سے پہلے جھٹ ارشد نے مکھن کی ٹکیہ تو لی، ارشد کا شک یقین میں بدل گیا۔ مکھن واقعی تول میں کم نکلا۔

ارشد نے پنچائیت میں شکایت درج کروادی۔ پورے گاؤں میں منادی کر دی گئی۔ لوگ ایک دوسرے کا مُنہ تک رہے تھے، بھلا یہ کیا ماجرا ہے؟ اگلے جمعے، نماز کے بعد پنچائیت نے کریم داد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''کریم داد! کیا تم جانتے ہو، ارشد نے تمھارے خلاف شکایت درج کی ہے کہ تم ناپ تول میں کمی بیشی کرتے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مقامات پر ناپ تول میں کمی پر وعیدات ارشاد فرمائی ہیں۔

کریم داد نے پُرنم آنکھوں سے کہا:

''محترم پنچو! آپ سب جانتے ہیں کہ ہم نسلوں سے یہاں آباد ہیں، میرے باپ دادا بھی دودھ کا کاروبار کرتے تھے۔ میں ایمان داری سے اپنا کام کرتا ہوں، پَر آج کل میں تولنے سے قاصر ہوں، کیوں کہ میرے باٹ گم ہوگئے ہیں۔''

پوری پنچائیت اور سب گاؤں والے حیرت سے کریم داد کا مُنہ تکنے لگے۔

''بغیر باٹوں کے تم کیسے گاؤں والوں کو دُودھ اور دِیگر سامان مہیا کر رہے ہو؟ تم فقط ارشد کے ہی مجرم نہیں، بل کہ پورے گاؤں کے مجرم ہو۔'' ایک پنچ نے غصے سے کہا۔

''اس سے پہلے کہ آپ فیصلہ سنائیں، میں اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' کریم داد نے پنچائیت سے اجازت چاہی۔

''کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟''

کریم داد کو اِجازت مل گئی۔

''مائی باپ! جب سے میرے ترازو کے باٹ گم ہوئے ہیں میں ارشد کی بیکری سے خریدے گئے ایک پاؤ والے کیک سے مکھن تول کر پیکٹ بناتا ہوں، اسی طرح دیگر اَشیا کا حساب بھی کرتا ہوں۔''

گاؤں والوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے اور اَرشد نے دوڑ لگانے میں عافیت جانی، پَر نزدیک ہی کھڑے کریم داد کی حاضر دِماغی نے کام دکھایا اور اپنے پالتو کتے شیرو کو اَرشد کی طرف چھوڑ دِیا۔ یوں ارشد نہ صرف پکڑا گیا، بل کہ گاؤں بدر بھی کیا گیا اور سزا کے طور پر دونوں بیکریاں بھی بند کر دی گئیں۔ گاؤں والوں نے تحصیل فضل پور میں بھی ارشد کی شکایت درج کی، جس کی وجہ سے وہ وہاں بھی نہ جا سکا۔

ارشد نہایت پشیمان تھا، بالآخر اُس نے سچی توبہ کی اور راہِ راست اپناتے ہوئے سب لوگوں سے معافی مانگی۔ سب نے اُسے ایک موقع دیتے ہوئے معاف کر دیا۔

۹۔ حکیم بن مقنع

حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی
فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم
"میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا"۔ (ترمذی)

اعلان سن کر لوگوں کا تجسس عروج پر پہنچ گیا۔ وہ کش قلعے کے نئے حاکم سے ملنے کے لیے پہلے ہی بے تاب تھے، اب تو وہ سب گن گن کر دن گزار رہے تھے۔

''فلاں روز کش قلعے کا حاکم اپنا دیدار کروائے گا۔ کیا تم اس سے ملاقات کے لیے جاؤ گے؟''

ہر سرائے اور چوپال میں یہی بات زیرِ بحث تھی۔

''نہیں، میں اس روز کافی مصروف ہوں۔''

''یار! تھوڑا سا وقت نکال لینا۔ مل کر چلیں گے، شغل ہی رہے گا۔''

ہر طرف سے اسی قسم کی باتیں سنائی دے رہی تھیں، جب کہ عقل مند لوگ اس قسم کی باتیں کر رہے تھے:

''میں تو ایک مکار شخص سے ملنے کے لیے نہیں جا رہا۔''

''وہ بھلا مکار کس طرح ہو گیا!؟''

''معلوم نہیں، اس نے قلعے کے پرانے حاکم سے کب اور کس طرح قلعہ خریدا، جب کہ ہم نے اس سے پہلے یہ سنا ہی نہیں کہ کش قلعے کا پرانا حاکم اپنا قلعہ بیچنا چاہتا ہے۔ آناً فاناً ہی قلعے کا حاکم بدل گیا۔''

''ہاں درست کہہ رہے ہو، ویسے بھی وہ شہرت کا بھوکا انسان ہے، اپنے ارد گرد لوگوں کا ہجوم اکٹھا کرنے کے لیے خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے۔''

غرض جتنے منہ اتنی ہی باتیں سرائے اور چوپالوں میں گردش کر رہی تھیں۔

دن گزرتے گئے اور آہستہ آہستہ وہ دن بھی آ گیا جس دن کش قلعے کے حاکم حکیم ابن مقنع نے لوگوں کو اپنا دیدار کروانا تھا۔

شہر کے تمام لوگ اس دن قلعے کا رُخ کرنے لگے۔ قلعے میں داخل ہونے کے لیے سفید لباس کو لازمی قرار دیا گیا۔ جس کسی کے پاس سفید لباس نہیں تھا اسے قلعے میں داخل ہونے سے پہلے سفید لباس دیا گیا۔ سفید لباس کے بغیر کسی کو بھی قلعے میں داخل نہیں ہونے دیا گیا۔

اب ہر ایک نے قلعے میں سفید کپڑے ہی پہنے ہوئے تھے۔ سب لوگ قلعے کے ایک بڑے ہال میں جمع تھے اور مختلف ٹولیوں کی شکل میں ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے تھے۔ قلعے میں شور سا مچا ہوا تھا۔ ایک طرف ایک بڑا سا تخت تھا اور اُس پر ایک شان دار کرسی موجود تھی۔ یہ تخت اور کرسی بالکل بادشاہوں کے تخت جیسے تھے، لیکن حکیم ابن مقنع بادشاہ نہیں، شیطان تھا۔

اچانک قلعے میں خاموشی چھا گئی، کیوں کہ ان سب کے سامنے ایک شخص سنہری نقاب لگائے اس شاہی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ یہ شخص بالکل عام سا ہی تھا۔ جیسے ہی وہ کرسی پر بیٹھا، تمام لوگ اس کی طرف لپکے، مگر حکیم ابن مقنع کے نوکروں نے لوگوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ انھوں نے لوگوں کو ایک، ایک دو، دو کر کے حکیم ابن مقنع سے ملنے کی اجازت دی۔ وہ لوگ حکیم ابن مقنع سے

اپنے بارے میں مختلف قسم کے سوالات کرنے لگے کہ میں کون ہوں؟ کیا چاہتا ہوں؟ کیا کر رہا ہوں؟ کیا کروں گا؟ وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے فضول سوالات کے جوابات حکیم ابن مقنع نے اپنے علم کی بدولت آسانی سے دے دیے۔ یہی نہیں، بل کہ وہ ان کے سامنے ان کے راز بھی بتانے لگا۔ لوگ اپنے راز سُن کر حیران رہ گئے، یعنی اس نے انھیں ان کا ماضی بھی بتا دیا۔ صرف اتنا ہی نہیں، بل کہ لوگوں کو اُن کا ماضی بتانے کے بعد اُس نے ان کے متعلق کچھ پیش گوئیاں بھی کیں۔ لوگ پیش گوئیاں سن کر وہاں سے نکلتے چلے گئے، یہاں تک کہ حکیم ابن مقنع نے ایک بادشاہ کی طرح اپنے دربار میں آنے والے ہر شخص سے فریاد سنی اور ملاقات کی۔ حکیم ابن مقنع سے جو بھی ملاقات کرتا خدمت گار ملاقات کے بعد اُسے باہر کا راستہ دکھاتے۔

سب کے چلے جانے کے بعد حکیم ابن مقنع بھی وہاں سے اٹھ کر اپنی آرام گاہ میں چلا گیا۔ وہ بہت خوش تھا، اتنے عرصے بعد وہ اتنے سارے لوگوں سے ملا تھا، اسے وہ چیز مل گئی تھی جس کی اسے تلاش تھی، یعنی توجہ اور ستائش۔ حکیم ابن مقنع آج کے پورے دن ہونے والے واقعات کو ذہن میں تازہ کر کے خوش ہو رہا تھا، یہاں تک کہ اسے نیند آ گئی۔

اگلی صبح اس کی آنکھ کھلی تو خدمت گاروں نے بتایا:

''آج بھی لوگ ملاقات کے لیے آئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے میں لوگوں سے ملاقات کروں گا۔'' حکیم ابن مقنع نے جواب دیا۔

خدمت گاروں نے منادی کر دی کہ آج بھی کش قلعے میں موجود خدا اپنی زیارت کروائے گا۔ لوگ دوبارہ جوق در جوق آنے لگے۔ آج بھی حکیم ابن مقنع نے کل ہی کی طرح لوگوں سے ملاقات کی۔ اس نے آج بھی بہت سی پیش گوئیاں کیں۔

اس دن بھی حکیم ابن مقنع کو بہت مزہ آیا اور اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ روز ہی لوگوں سے ملاقات کیا کرے گا۔ اب اس نے روز ہی لوگوں سے ملاقات کرنی شروع کر دی۔ کچھ دن بعد اُس نے ملاقات کا دورانیہ کم کر دیا۔ ویسے بھی اب روزانہ کی طرح لوگوں کا ہجوم نہیں لگا رہتا تھا۔

چند دِن بعد ہوا یہ کہ پہلی ملاقات کے روز حکیم ابن مقنع نے جتنی بھی پیش گوئیاں کی تھیں، سب کی سب درست نکلیں۔ لوگ حیرت زدہ رہ گئے اور اُس کے گن گانے لگے۔ اس کا چرچا پورے شہر میں دوبارہ ہونے لگا۔ یوں اُس نے عام اور پریشان حال لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام بنا لیا۔ سیدھے سادھے لوگ اس کی باتوں میں آنے لگے اور اُس کے آگے پیچھے پھرنے لگے۔

شہر کے علمائے کرام کو بھی اس واقعے کی اطلاع ہوئی۔ انھوں نے لوگوں کو سمجھانا شروع کیا۔ بہت کوششوں کے باوجود بھی علمائے کرام کو اِس میں کام یابی نہیں ملی۔ اب شہر بھر کے علمائے کرام نے ایک ہنگامی ملاقات طے کی۔ تمام علمائے کرام اس ملاقات میں شامل ہوئے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور آخر میں یہ بات طے پائی کہ کسی طرح کش قلعے کے حاکم حکیم ابن مقنع سے ملاقات کی جائے اور اُس کے جھوٹ اور فریب کا پردہ فاش کیا جائے۔

......(جاری ہے)......

سوال آدھا، جواب آدھا ⓸⓪ کے درست جوابات

1. صرف ایک مرتبہ (آیت نمبر 39 میں)۔
2. ''مُہرِ سلیمان'' حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس انگوٹھی کو کہتے ہیں جس پر اِسمِ اعظم کندہ تھا۔
3. 23 جمادی الثانی 13 ہجری سے یکم محرم الحرام 24 ہجری تک۔
4. پاک پتن (اس شہر کو ماضی میں ''اجودھن'' کہا جاتا تھا)۔
5. خلائی سائنس دان۔
6. یکم اکتوبر۔
7. اِیتھوپیا۔
8. سپریم اسمبلی۔
9. قوس وقزح (Rainbow)۔
10. مرتے دَم تک زندگی کی امید قائم رکھنا۔

سعد فجر کی نماز اور ناشتے سے فارغ ہو کر جلدی جلدی احمد کے گھر پہنچا۔ پہلی ہی گھنٹی پر اَمین صاحب نے ''کون ہے؟'' کی آواز لگائی۔ جواباً سعد نے اپنا نام بتایا تو دروازہ فوراً کُھل گیا۔

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! انکل! احمد کہاں ہے؟ آج نماز کے لیے بھی نہیں آیا۔'' سعد نے ادب سے سلام کیا اور اَحمد کی غیر موجودگی کی وجہ دریافت کی۔

''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آج شاید اُس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، نماز بھی گھر میں ہی پڑھ کر دوبارہ سو گیا ہے۔''

احمد کے ابو نے سعد کو اَندر بلاتے ہوئے جواب دیا۔

''اوہ انکل! تو کیا آج وہ ہمارے ساتھ چچا جان کے پاس نہیں جائے گا؟'' سعد نے بجھے بجھے لہجے میں سوال کیا۔

''تم جاؤ اور خود معلوم کرلو، ہوسکتا ہے وہ جانا چاہے۔''

احمد کے ابو اپنی بات مکمل کر کے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ سعد کچھ دیر وہیں کھڑا رہا، پھر اَحمد کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ دیکھا کہ احمد میاں گھوڑے گدھے بیچ کر گہری نیند سو رہے ہیں۔

''احمد! احمد!''

سعد نے پہلے پہل آرام سے احمد کو آواز دی، جب وہ نہ اٹھا تو پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کر ہلایا، تا کہ وہ اٹھ جائے، جس پر اَحمد تھوڑا کسمسایا اور پھر منہ ڈھانپ کر لیٹ گیا۔ یہ دیکھ کر سعد نے ہاتھ میں تھوڑا سا پانی لیا اور اَحمد کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے، جس سے احمد ہڑبڑا کر اُٹھا۔

''یہ کیا حرکت ہے؟'' احمد نے غصے سے سعد کو دیکھ کر سوال کیا۔

''دس منٹ سے تمیز سے اٹھا رہا ہوں، مگر موصوف کی آنکھیں کھلنے کا نام نہیں لے رہی تھیں، اس لیے گو ندلگی آنکھوں کو کھولنے کے لیے پانی کی چند بوندوں کا استعمال کرنا پڑا۔'' سعد نے اطمینان سے جواب دیا۔

''اس طرح کون کرتا ہے؟'' احمد نے بھی نرم پڑتے ہوئے منہ صاف کر کے پوچھا۔

احمد پر آیا بھوت!

عمارہ فہیم۔ کراچی

’’ہر کوئی کر سکتا ہے، جسے آپ جیسوں کا علاج سمجھ میں نہ آئے تو بس یہ حل ہے ان سب کے لیے ہے۔
اب باتوں میں وقت ضائع نہ کرو، یہ بتاؤ کہ چچا جان کی طرف جاؤ گے یا نہیں؟ چلنا ہے تو ساتھ چلو، ورنہ میں جاؤں۔‘‘
سعد نے پہلی بات کی شدت کو کم کرنے کے لیے جلدی سے اگلی بات ساتھ جوڑ دی، ورنہ تو کمرے سے جنگ میں ہونے والے دھماکوں جیسی آوازیں آنے ہی والی تھیں۔
’’ٹھیک ہے بیٹا! یاد رکھوں گا اس بات کو۔ ہاں چل رہا ہوں، بس دو منٹ رکو۔‘‘
احمد بھی سعد کا ہی دوست تھا، اس لیے منہ پر ہاتھ پھیر کر اُنگلی کا اشارہ دیتے ہوئے چچا جان کی تجربہ گاہ جانے کے لیے تیار ہونے چلا گیا۔
......☆......
کچھ دیر سعد اور اَحمد تجربہ گاہ میں موجود تھے۔ ان کی باقی پلٹن انتظار کر کے پہلے ہی وہاں پہنچ چکی تھی۔
’’کیا ہوا بھئی! آج پلٹن کے قائد اتنی دیر سے، سب خیر ہے نا!؟‘‘
چچا جان نے احمد اور سعد کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا، جو آتے ہی اپنی پسند کی کہانی کی کتاب تلاش کرنے جا رہے تھے۔
’’جی چچا جان! سب خیر ہے، بس یہ احمد پر بھوت آ گیا ہے۔‘‘
سعد نے احمد کی طرف دیکھ کر اِشارہ کرتے ہوئے کہا، جو اَبھی بھی جمائی لینے میں مصروف تھا۔
’’بھ...... بھوت! احمد! تم کل تک تو ٹھیک تھے، پھر بھوت کہاں سے آ گیا؟‘‘ زین نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
’’ہاں، بہت خطرناک بھوت ہے، سب سے پہلے تمھیں ہی کھائے گا۔‘‘ احمد نے ٹیڑھی میڑھی آنکھیں کرتے ہوئے ڈرے سہمے زین کو مزید ڈرایا تو سعد کو وضاحت کرنی پڑی:
’’اُفف! احمد پر کوئی جنوں کے خاندان والا بھوت نہیں آیا، بل کہ اس پر سستی کا بھوت آیا ہے، بے وقوف!‘‘
’’اوہ اچھا اچھا! تو یوں کہو نا! تم نے تو ڈرا ہی دیا تھا۔‘‘

چچا جان ان سب کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔
’’کیا بات ہے احمد میاں! رات کو سوئے نہیں تھے کیا؟‘‘ چچا جان نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔
’’سویا تھا، مگر پتا نہیں کیوں آج اتنی زیادہ سستی ہو رہی ہے، بار بار آنکھیں بند ہو رہی ہیں، دل چاہ رہا ہے کہ ابھی یہیں سو جاؤں۔‘‘ احمد نے بمشکل جمائی روکتے ہوئے جواب دیا۔
’’انسان کی طبیعت میں سستی ویسے ہی نہیں ہوتی، اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے، اور اَحمد بیٹا! آپ کی اس سستی کے پیچھے بھی کوئی وجہ ضرور ہے، آپ ذرا اپنی پورے دن کی ترتیب تو بتائیں۔‘‘ چچا جان نے سوچتے ہوئے کہا۔
’’ترتیب......! صرف کل کی بتاؤں یا روزانہ کی؟‘‘
’’صرف کل کی بتاؤ نا! کیوں کہ سستی کا بخار تمھیں کل سے پہلے تو نہیں چڑھا۔‘‘
سعد نے اپنی مطلوبہ کتاب الماری سے نکال کر سَرسَری سا دیکھتے ہوئے احمد کو جواب دیا اور اَپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا، جس پر اَحمد نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اسے گھورنے کا فریضہ انجام دیا اور پھر چچا جان کی بات کا جواب دینے کے لیے اپنا نظام الاوقات سوچنے لگا۔
’’کل یہاں سے گھر گیا تو میرے سارے رشتے دار آئے ہوئے تھے۔ چوں کہ سب کافی دنوں بعد آئے تھے، اس لیے ہم بچوں نے خوب ہلا گلا کیا، ہم سارا دِن کھیلتے رہے۔ امی کے مطابق ہمیں کھانے پینے کا بھی ہوش نہ رہا، رات کو کھانے کے بعد بھی دیر تک ہم سب ویڈیو گیم کھیلتے رہے۔
تم تو آئے تھے نا آج صبح! دیکھا نہیں تھا کمرے کا حال؟‘‘
احمد نے جمائیاں لیتے ہوئے اپنی ترتیب بتائی اور سعد کو مخاطب کیا۔
’’ہاں دیکھا تھا، کہیں چپس کا کچرا پڑا تھا تو کہیں بسکٹ کھلا رکھا حشرات الارض کو دعوت عام دے رہا تھا۔ کمپیوٹر، کمرے میں کوئی نقصان کروانے کے لیے کھلا ہوا تھا، اور آپ جناب اور آپ کے آئے ہوئے مہمان بستر اور صوفے پر آڑے ترچھے،

گھوڑے گدھے بیچ کر نیند کی وادیوں میں گھومنے نکلے ہوئے تھے۔‘‘
سعد نے بھی بڑی مہارت سے احمد کے کمرے کا مکمل نقشہ کھینچا، جس پر اَحمد نے ایک بار پھر سعد کو تیز نظروں سے گھورا۔
’’ہمم! اس ترتیب کو سُن کر اَحمد کی سستی کی وجہ سمجھ میں آ گئی ہے۔‘‘
چچا جان نے احمد اور سعد کو دیکھ کر سر اِثبات میں ہلاتے ہوئے کہا۔
’’تو ہمیں بھی بتائیں۔‘‘ احمد نے جھٹ سوال کیا۔
’’ہمم......! یہاں آجاؤ۔‘‘
چچا جان نے سب کو اپنی میز کی طرف آنے کا اشارہ کیا اور اپنے لیپ ٹاپ پر ایک طرف تمام انسانی اعضا، خاص طور پر دِماغ اور آنکھ کی واضح تصویر کھولی اور دوسری طرف ٹیبلٹ، موبائل وغیرہ کی۔
’’بچو! آپ سب ان سب چیزوں سے یقیناً واقف ہوں گے؟‘‘
’’جی چچا جان! بالکل جانتے ہیں، یہ موبائل، لیپ ٹاپ وغیرہ ہیں اور یہ ہمارا دِماغ، آنکھ اور ہمارا مکمل جسم ہے۔‘‘
زین نے اپنی گول مٹول سی آنکھوں کو گول گول گھماتے ہوئے کہا۔
’’یہ تو اچھی بات ہے کہ آپ سب ان سب چیزوں سے واقف ہیں، ہمارے جسم پر موجود ہر ایک عضو ہمارے لیے بہت بڑی نعمت ہے......‘‘
ابھی چچا جان نے بات شروع کی ہی تھی کہ معیز کی آواز سنائی دی اور سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے:

’’جی چچا جان! آپ نے ہمیں بتایا تھا کہ یہ سب نعمتیں ہیں اور ہمیں ان نعمتوں پر شکر بھی ادا کرنا چاہیے، ساتھ ساتھ ان کا خیال بھی رکھنا چاہیے۔‘‘
’’شاباش معیز! بالکل ہمیں اپنے تمام اعضا کا خیال بھی رکھنا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ یہ جو موبائل، لیپ ٹاپ یا دوسری اشیا ہیں، یہ سب ہماری ضروریات کے لیے بنائی گئی تھیں، لیکن ہم نے کیا کیا؟ ہم نے یہ کیا کہ ہم ان کے عادی ہو گئے۔
دیکھو بچو! یہ آلات جتنے اچھے ہیں، جتنے مفید اور ضروری ہو گئے ہیں اتنے ہی نقصان دہ بھی ہیں۔ جس طرح ان کے فائدے ہمیں نظر آتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے سے دور بیٹھے رابطہ کر سکتے ہیں، بہت سی اہم چیزیں تلاش کر سکتے ہیں، ان کے فائدوں کے ساتھ ساتھ ان کے نقصانات بھی ہیں، مگر ہم ان کے فوائد کو مانتے ہیں اور نقصانات پر توجہ نہیں دیتے۔ ان کا ایک نقصان تو یہ ہے کہ ان کی شعاعیں بہت تیز ہوتی ہیں، جو ہمارے دماغ، دل، آنکھوں اور دیگر اعضا کو وقت کے ساتھ ساتھ کمزور کر دیتی ہیں۔ اب یہاں پھر یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کے

نقصانات ہیں تو اِنھیں بنایا کیوں؟''

''جی بالکل چچا جان! میرے ذہن میں بھی ابھی یہی سوال آیا تھا۔''

عمر نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''بالکل! ہر ایک کے ذہن میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ چیزیں ضرورت کے لیے بنائی گئی ہیں، لیکن ہم نے انھیں ضرورت کے لیے استعمال کرنا چھوڑ دیا ہے، بس بے مقصد کاموں میں لگے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے یہ فائدے کے بجائے نقصان پہنچاتی ہیں، زیادہ دیر اسکرین کو دیکھنے سے سر دَرد جیسی بیماریوں کے ساتھ ایک بہت بڑا نقصان بھی ہوتا ہے۔''

چچا جان نے اس مرتبہ بیچ میں خود بات روک کر سب کو دیکھا۔ سب کے چہروں پر حیرانی تھی، جیسے پوچھ رہے ہوں کہ ''بھلا وہ کیا؟''

''وہ بڑا نقصان ہے ''چڑچڑا پن اور سُستی''۔ مطلب یہ کہ انسان ان کی وجہ سے بات بات پر غصہ کرنے لگتا ہے، اسے صرف اسکرین اچھی لگتی ہے اور آس پاس کے لوگ اور سب چیزیں بُری لگتی ہیں۔ رات دیر تک ان آلات کو اِستعمال کرتے رہنے سے دماغ بہت زیادہ تھک جاتا ہے اور نیند پوری نہیں ہوتی، نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا بدن سُست رہتا ہے اور دِل چاہتا ہے کہ بس سوتے رہیں اور اَحمد! یہی تو آج آپ کے ساتھ بھی ہو رہا ہے، کیوں صحیح کہا نا!؟''

چچا جان نے اپنی بات مکمل کرتے اَحمد کو دیکھا۔

''جی چچا جان! آج میری کیفیت بالکل ایسی ہی ہے کہ کسی سے بات کرنے کا بھی دل نہیں چاہ رہا، بس سستی ہو رہی ہے۔''

احمد نے منہ لٹکا کر کہا۔

''دیکھو بچو! رات، اللہ تعالیٰ نے آرام کے لیے بنائی ہے۔ اب اگر کوئی دن رات خود کو تھکائے گا، چاہے کوئی کام کرے یا صرف وقت کا ضیاع، دونوں صورتوں میں صحت بھی متاثر ہوگی اور کام بھی ٹھیک نہیں ہوگا، کیوں کہ تھکے ذہن کے ساتھ کبھی کوئی کام اچھی طرح انجام دیا ہی نہیں جا سکتا۔''

چچا جان نے بچوں کو آلات کے نقصان اور فوائد کے تمام پہلو کھول کر بتائے تو سب بچے ان سب باتوں سے بہت متاثر ہوئے اور اَحمد کے ساتھ سب نے عہد کیا کہ اپنے نظام الاوقات کو کبھی بے ترتیب نہیں ہونے دیں گے اور اِن آلات کو بوقت ضرورت ہی استعمال کریں گے۔

''چچا جان! ایک سوال ہے۔'' عمر نے ایک بار پھر اپنی خاموشی توڑی۔

''جی عمر! پوچھیں۔''

''وہ یہ کہ اگر ہم کبھی کبھی یا کچھ دیر گیم وغیرہ کھیل لیں تو تب تو زیادہ مسئلہ نہیں ہوگا نا!؟'' چچا جان مسکرائے اور گویا ہوئے:

''ہمم! یہ تو بہت مشکل صورتِ حال ہے کہ کھیلنا بھی ہے اور نقصان سے بچنا بھی ہے۔

بچو! سب سے پہلے تو یہ بتائیں کہ ان ویڈیو گیموں سے اب تک آپ کو کتنا فائدہ ہوا؟ مطلب یہ کہ کتنی طاقت ملی؟ کیا سیکھنے کو ملا؟ آپ کی صحت اچھی ہوئی؟ آپ چست ہوئے؟''

''نہیں، کچھ بھی نہیں، ان میں سے کوئی فائدہ نہیں ملا۔''

ایسے جواب بچوں کی طرف سے دیے گئے۔

''ایک چیز جس سے کوئی فائدہ نہیں مل رہا تو وہ اچھی کیسے ہوئی اور اُسے کھیل یا گیم کا نام دینا بھی غلط ہی ہوا۔ کھیل ایسا کھیلنا چاہیے جس سے جسم تن درست، توانا اور چست ہو، البتہ اگر ہم ان ویڈیو گیم کے عادی ہیں یا پھر کبھی کبھی سب کے ساتھ کھیلنے کا دِل چاہتا ہے تو بہت مختصر وقت کے لیے کھیلا جا سکتا ہے، مگر اِحتیاط کے ساتھ، جیسے......''

''جیسے: اسکرین سے فاصلہ رکھیں۔

بہت دیر تک اسکرین کو نہ دیکھیں۔

زیادہ دیر ہاتھ میں کوئی آلہ نہ رکھیں۔''

بچوں نے جلدی جلدی چچا جان کی بات خود مکمل کی اور چست و توانا رہنے اور سُستی کے بھوت کو بھگانے کے خزانے کو لے کر چچا جان کو اَلوداع کہتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

''اب سب جلدی سو جاؤ، سحری میں بھی اٹھنا ہے، روزہ رکھنا ہے۔'' امی سب کو سونے کا کہہ کر کمرے سے جانے لگیں تو یحییٰ نے پوچھا:

''کیا میں بھی روزہ رکھوں گا؟''

امی نے جاتے جاتے اسے دیکھا اور کہا:

''نہیں، آپ ابھی روزہ نہیں رکھ سکتے، ابھی آپ چھوٹے ہیں۔'' اور امی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

''آپی! میں کیوں روزہ نہیں رکھ سکتا؟''

''امی نے کہا تو ہے کہ تم ابھی چھوٹے ہو، اس لیے روزہ نہیں رکھ سکتے۔'' آپی نے جواب دیا۔

''تو کیا روزہ بہت اوپر رکھتے ہیں، میرا ہاتھ نہیں جا سکتا؟'' یحییٰ نے معصومیت سے پوچھا تو آپی کو شرارت سوجھی:

''ہاں نا! بہت اوپر رکھتے ہیں۔ اب سو جاؤ، نہیں تو سحری میں آنکھ نہیں کھلے گی۔''

''سحری کیا ہوتی ہے؟''

''سحری......'' آپی نے کچھ دیر سوچا کہ اب ننھے یحییٰ کو اِس کا کیا جواب دیں، مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو اُنھوں نے اسے خاموش ہو کر سونے کا کہہ دیا۔

صبح یحییٰ اٹھا تو آپی کمپیوٹر پر اَپنا کام کر رہی تھیں، امی

یحییٰ نے روزہ کہاں رکھا

مریم شہزاد۔ کراچی

باورچی خانے میں تھیں۔ یحییٰ نے امی کے پاس جا کر ناشتا کیا اور پوچھا:

''اور سب ناشتا کیوں نہیں کر رہے؟''

امی نے بتایا:

''سب کا روزہ ہے، اس لیے۔''

''اوہو! تو سب نے روزہ رکھ لیا۔''

اس نے دل میں سوچا اور اُچک اُچک کر سب چیزوں کے اوپر دیکھنے لگا، پھر وہ آپی کے پاس آیا۔

''آپ نے روزہ کہاں رکھا؟''

''ہائیں! کہاں رکھا...... اوہ...... اچھا......!''

انھیں رات کی بات یاد آئی تو مسکراتے ہوئے کہا:

''میں نے تو بالکل چھپا کر رکھا ہے۔ کسی کو نہیں بتاؤں گی۔''

''مجھے بھی نہیں؟ میں تو آپ کا پیارا سا بھائی ہوں۔'' یحییٰ نے کہا۔

''اچھا، ایسا کرو کہ تم باقی سب سے پوچھ لو کہ سب نے کہاں رکھا ہے؟ پھر میں بھی بتا دوں گی، اتنی دیر میں، میں اپنا کام مکمل کر لوں۔''

آ نے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا باجی کے ماس آ گیا۔

''الماری کے اوپر۔'' باجی نے جواب دیا۔

''اتنے اووو پر......آپ کا ہاتھ کیسے گیا؟'' یحییٰ نے حیرت سے پوچھا۔

''ہمم...... کرسی پر چڑھ کر۔'' باجی مسکرا کر بولیں۔

''اچھا!'' پھر دِل میں سوچا کہ میں تو اِتنا چھوٹا سا ہوں، میرا ہاتھ تو کرسی پر چڑھ کر بھی نہیں جائے گا اور پھر روزہ بھاری بھی تو ہو گا۔

پھر وہ بھیا کے پاس آیا۔

''بھیا! آپ نے روزہ کہاں رکھا؟''

''پیٹ میں۔'' بھیا کو تو صبح صبح ہی بھوک لگ رہی تھی، لہٰذا اُنھیں تو یہی جواب سمجھ آیا۔

وہ دادا ابو کے پاس آیا اور پوچھا:

''دادا ابو! روزہ کون سے رنگ کا ہوتا ہے؟ کیسا ہوتا ہے؟''

''یحییٰ بیٹا! آپ اتنے نئے نئے سوال کہاں سے لاتے ہو؟'' دادا ابو نے ہڑبڑا کر کہا۔

''بتائیں نا دادا ابو! روزہ کتنا بڑا ہوتا ہے؟'' یحییٰ نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

''بھئی، روزے کا کوئی رنگ نہیں ہوتا، اور جتنا

ہے۔'' دادا ابو نے اس کی سمجھ کے مطابق سمجھانے کی کوشش کی۔

''اُف اتنا بڑا! تو میں کہاں رکھوں؟ بھیا نے تو پیٹ میں رکھ لیا، باجی نے الماری کے اوپر رکھ دیا۔ میں کہاں رکھوں۔''

یحییٰ کی بات سن کر دادا ابو پہلے تو ہڑبڑا گئے، پھر مسکرا دیے اور اُس کے کان میں بتا دیا کہ وہ روزہ کہاں رکھے۔

شام کو سب افطار کے لیے دسترخوان پر بیٹھے تو یحییٰ نے منہ پھلا لیا:

''میں کسی سے بھی بات نہیں کروں گا۔''

''کیوں بھئی، ہمارا بیٹا کیوں کسی سے بھی بات نہیں کرے گا؟''

ابو نے اسے گود میں بٹھا کر پوچھا۔

''میں نے سب سے پوچھا کہ سب نے روزہ کہاں رکھا ہے اور کسی نے بھی مجھ سے نہیں پوچھا کہ میں نے روزہ کہاں رکھا ہے؟'' اس نے ناراضی سے کہا۔

''ہائیں یحییٰ! تم نے بھی روزہ رکھا ہے؟''

آپی نے حیرت سے پوچھا تو اُس نے ہاں میں سر ہلا دیا، لیکن منہ پھلائے رہا۔

''ارے میرا بیٹا! چلو مجھے بتا دو، میرے بیٹے نے روزہ کہاں رکھا ہے؟'' ابو نے لاڈ سے کہا۔

''میں نے نا......'' اس نے سب کی طرف دیکھا اور کہا: ''میں کسی کو نہیں بتاؤں گا اور پھر چپکے سے ابو کے کان میں بتا دیا۔ وہ ایک دم اچھل پڑے۔

''ہائیں! دماغ میں!'' وہ زور سے بول پڑے اور سب ہنسنے لگے۔

''جائیں، میں نہیں بات کرتا آپ سے! آپ نے سب کو بتا دیا۔'' وہ بولا تو امی نے سب کو گھور کر دیکھا۔

''میں نے کتنی دفعہ سمجھایا ہے کہ بچوں کو ہمیشہ ٹھیک بات بتانی چاہیے۔'' امی نے کہا تو سب شرمندہ ہوگئے۔ اتنے میں اذان ہوگئی اور سب نے روزہ افطار کیا۔ یحییٰ کو اِفطاری میں بہت مزہ آیا۔

پھر امی نے رات کو یحییٰ کو بتایا:

''روزہ، صبح سے لے کر مغرب تک کچھ بھی نہ کھانے پینے کا نام ہے۔ روزہ رکھنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔ روزے میں کوئی بُرا کام، یعنی لڑائی جھگڑا، جھوٹ بولنا اور کسی کو ستانا نہیں چاہیے۔''

اب یحییٰ کی سمجھ میں بات آ گئی۔

تو بچو! آپ سب کو بھی معلوم ہے نا کہ روزہ کیسے رکھنا ہے اور اگر آپ کے چھوٹے بہن بھائیوں کو نہیں معلوم تو اُنھیں بھی ٹھیک ٹھیک بتائیں۔
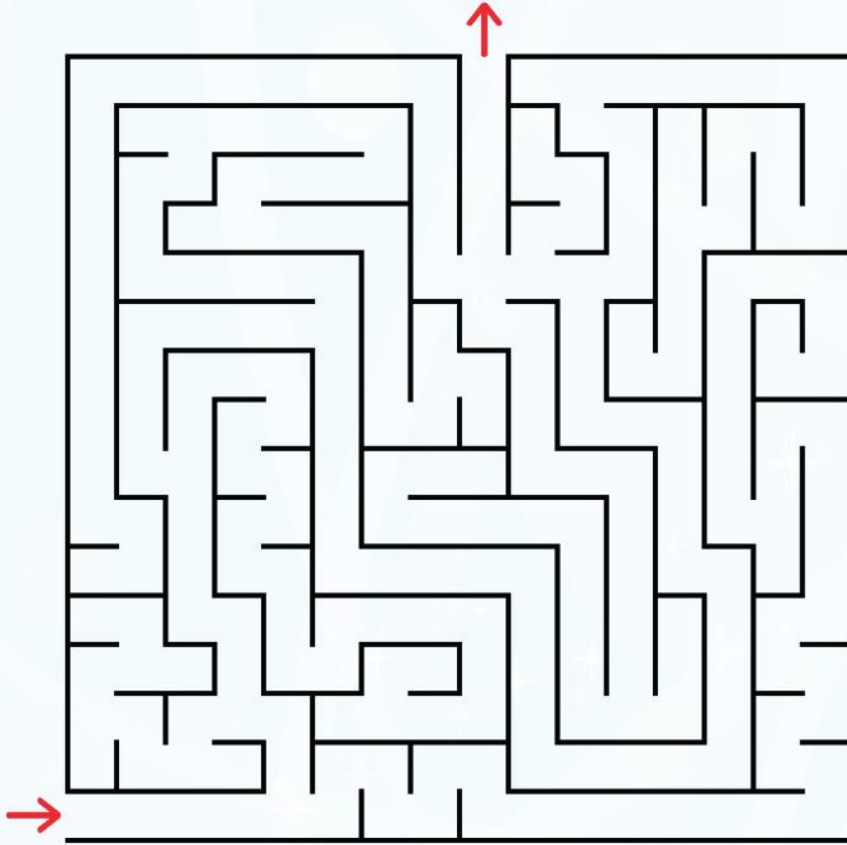
زعفران

سعد علی چھپیا۔ کراچی

زعفران کا ایک الگ ذائقہ اور خوش بو ہے۔ تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ یہ مزاج، یادداشت اور سیکھنے کی صلاحیت کو بہتر بنانے میں مدد دے سکتا ہے۔

یہ دنیا کا سب سے مہنگا مسالا ہے۔ اس کی تھوڑی سی مقدار ہی بہت ہوجاتی ہے۔ اس کا استعمال نہ صرف کھانوں کو خوش بودار اور لذیذ بناتا ہے، بل کہ اسے کپڑے رنگنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

اسے کروکس سیٹیوس نامی پھول سے حاصل کیا جاتا ہے۔

زعفران کے فوائد:

☆ زعفران، وزن میں کمی اور بھوک کو کنٹرول کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

☆ زعفران کے استعمال سے نیند جلدی اور پُرسکون آتی ہے۔

☆ زعفران خون کی گردش کو بہتر بناتا ہے اور خون کی شریانوں کو سخت ہونے سے روکتا ہے۔

☆ زعفران میں پائے جانے والے اجزا کولیسٹرول کی سطح بھی کم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، جس کی وجہ سے دل کی بیماریوں کے خطرات میں بھی کمی آتی ہے۔

☆ زعفران کو روزانہ کھانے سے کینسر جیسے خطرناک امراض کے خطرات میں بھی کمی آتی ہے۔

☆ زعفران دماغ کی سوزش کو کم کرتا ہے، جس کی وجہ سے اعصابی مسائل کے خطرات میں کمی آتی ہے۔

☆ زعفران، الزائمر جیسی بیماریوں سے بچاؤ میں بھی نہایت مفید ہے۔

☆ زعفران گردے، مثانے اور جگر کو قوت دیتا ہے۔

☆ زعفران، گردے کے درد میں آرام پہنچاتا ہے۔

☆ زعفران، خارش ہونے کی صورت میں فائدہ مند ہے۔

☆ زعفران بوجھل طبیعت میں تقویت دیتا ہے۔

☆ زعفران کے استعمال سے بلغم کا اخراج بآسانی ہوجاتا ہے۔

☆ زعفران کا استعمال بینائی کو بہتر بنانے والے خلیوں کو طاقت فراہم کرتا ہے۔

☆ زعفران، شوگر کے مریضوں کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔

☆ زعفران، تشنج میں بھی مفید ہوتا ہے۔

تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ عرض ہے کہ کسی بھی چیز کے فوائد پڑھ کر اسے زیادہ نہ کھائیں، بل کہ اس کا استعمال اعتدال سے کریں اور اگر آپ کو کوئی خاص بیماری ہے تو اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کرکے کوئی بھی غذا استعمال کریں۔

مجھے نہیں پتا

تنزیلہ احمد۔ اوکاڑہ

دس سالہ رانی ایک ذہین اور سلجھی ہوئی بچی تھی، مگر خوب آرام طلب اور کام چور۔ اسے کوئی بھی کام کرنا پسند نہ تھا۔ وہ اپنی مرضی اور پسند کے کام کبھی کبھار خود کرتی، ورنہ زیادہ تر دوسروں سے کرواتی اور اگر کسی دوسرے کا کام اسے کرنا پڑ جاتا تو وہ سست اور کام چور بن جاتی۔ اگر کوئی گھر کا بڑا اُسے کوئی کام کہہ دیتا یا کچھ پوچھتا تو وہ ''مجھے نہیں پتا'' کہہ کر ٹال جاتی۔

ایک روز دادا جان نے اس سے پوچھا:

''رانی بیٹا! میری عینک کہیں دیکھی ہے؟ مل نہیں رہی، مجھے اخبار پڑھنا ہے۔''

وہ کھیلنے کے ارادے سے باغ میں جا رہی تھی۔ اس نے سوچا، اگر وہ یہ بتا دے گی کہ عینک اس نے برآمدے میں دیکھی ہے تو دادا جان کہیں گے: ''جاؤ، مجھے لا کر دو۔''

اس لیے وہ ''مجھے نہیں پتا'' کہہ کر باہر بھاگ گئی۔ وہ باغ میں کھیل رہی تھی تو اُس کی سہیلی آ گئی، جو اُس کے پڑوس میں رہتی تھی۔ رانی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اُس کے ساتھ کھیلنے لگی۔ اسے وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا۔ جب وہ تھک کر اندر آئی تو امی نے اسے بتایا کہ بہت دیر تک دادا جان عینک ڈھونڈتے رہے، پھر تھک ہار کر اُنھوں نے اخبار پڑھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اسے ایک لمحے کے لیے افسوس ہوا، پھر اُس نے لاپروائی سے کہا:

''ہمم...... کوئی بات نہیں۔ اچھا ہے دادا جان ایک دن اخبار نہیں پڑھیں گے تو اُنھیں غصہ بھی نہیں آئے گا اور اُن کا بلڈ پریشر بھی نہیں بڑھے گا۔'' پھر وہ اپنے کمرے کی جانب چل دی۔

......☆......

چند روز کے بعد امی کو پریشانی سے پورے گھر میں چکر لگاتے دیکھ کر اُسے حیرانی ہوئی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ان کی دوائی کا نسخہ نہیں مل رہا۔ اس نے تھوڑی دیر سوچا تو اُسے یاد آیا کہ نسخہ اس نے کہیں دیکھا تو ہے، مگر کہاں؟ یہ اسے یاد آ سکتا تھا اگر وہ تھوڑی دیر اور سوچ لیتی، مگر وہ جان چھڑانے کے انداز میں ''مجھے نہیں پتا'' کہہ کر کھیلنے کے لیے چلی گئی۔

امی کی دوائی ختم ہو چکی تھی اور دادا جان کو ایک کام کے سلسلے میں گھر سے باہر جانا تھا، وہ اس انتظار میں رہے کہ نسخہ مل جائے تو وہ دوائی بھی لیتے آئیں۔ اس کے ابو دو دِن کے لیے کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ دوپہر ہوئی اور پھر سہ پہر بھی ہوئی۔ امی ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئیں، مگر امی کو نسخہ نہ مل سکا۔

کھیلنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ کر سو گئی۔ شام کو اُٹھی تو گھر میں سناٹا تھا۔ اس نے امی کے کمرے میں جا کر دیکھا تو وہ لحاف اوڑھے لیٹی ہوئی تھیں۔ دادا جان گھر پر نہیں تھے، شاید وہ ضروری کام سے جا چکے تھے۔

''امی! مجھے بھوک لگ رہی ہے!'' اس نے ان کے قریب جا کر کہا۔
''کیا مسئلہ ہے؟'' وہ بمشکل بولیں۔ انھیں بخار ہو رہا تھا۔
''بھوک لگ رہی ہے۔''
''باورچی خانے میں ڈبل روٹی رکھی ہے، اس پر جام لگا کر کھالو۔'' انھوں نے دھیمی آواز میں کہا۔
''نہیں، مجھے آلو کے چپس کھانے ہیں، مجھے بنا کر دیں۔'' اس نے منہ بسورا۔
''مجھے تنگ نہ کرو، میری طبیعت خراب ہے۔'' امی نے اسے ڈانٹا تو وہ پیر پٹختی کمرے سے باہر آ گئی۔
ڈبل روٹی کھانے کے بعد اُس کی نظر اسکیٹ بورڈ (پہیوں والا سواری کا تختہ) پر پڑی۔
''آہا! یہ اچھا موقع ہے، کوئی روک ٹوک کرنے والا بھی نہیں۔'' اس نے بورڈ اُٹھایا تو نیچے سے ایک کاغذ نکلا۔
''اوہ! یہ تو......'' رانی نے چور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسے یاد آیا کہ کل اس کی غلطی سے یہ نسخہ میز سے نیچے گر گیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ بعد میں اٹھا لے گی، پھر کھیلنے کے بعد آ کر جب اس نے اسکیٹ بورڈ رکھا تو نسخہ اس کے نیچے چھپ گیا اور پھر وہ بھول گئی۔
''اوہ، امی کو پتا چلا تو وہ بہت ناراض ہوں گی۔'' اس نے جلدی سے نسخہ اٹھایا اور میز پر رکھ دیا۔
رات کو دادا جان گھر آئے تو بہت تھکے ہوئے تھے۔ اپنے دوستوں کے ساتھ وہ کھانا کھا کر آئے تھے، اس لیے سونے چلے گئے۔ امی کا بخار تیز ہو چکا تھا، رات کو وہ ان کے پاس گئی۔
''امی! مجھے کچھ اچھا سا کھانا ہے۔'' وہ منمنائی۔
''مجھے نہیں پتا، جاؤ یہاں سے، تنگ نہیں کرو۔''
وہ حیران رہ گئی۔ یہ جملہ تو وہ بولنے کی عادی تھی، مگر اَب اسے خود یہ سن کر کتنا عجیب لگ رہا تھا۔
''لیکن امی!......؟''
''تمھیں ذرا سی بھی فکر ہے کہ میری طبیعت خراب ہے۔ جاؤ، ایک کپ دودھ اور ڈبل روٹی مجھے لا کر دو۔ تمھیں اتنا بھی احساس نہیں کہ امی نے دوپہر سے کچھ نہیں کھایا۔''
یہ سن کر اُس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اسے تو اپنا کام کرنا مشکل لگتا تھا، مگر اَب تو امی کا کام کرنے پر وہ مجبور ہو گئی تھی۔ وہ مجھے نہیں پتا بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔
''کیا ہو جاتا اگر میں اس وقت سوچ لیتی، نسخہ مل جاتا اور دادا جان وقت پر دوائی لے آتے۔ نہ امی بیمار ہوتیں، نہ مجھے ان کے اور اپنے کام کرنے پڑتے۔''
امی کو اُس نے دودھ کا کپ اور ساتھ ڈبل روٹی لا کر دی تو وہ بولیں:
''دادا ابو کو بھی دودھ کا گلاس دے آنا!''
اس کا دِل چاہا کہ مجھے نہیں پتا کہہ کر اپنے کمرے میں بھاگ جائے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، امی نے کہا:
''خبردار! کوئی الٹی سیدھی بات نہ کرنا۔ جاؤ، جو کہا ہے وہ کرو۔''
اگلے روز ناشتے کے لیے بھی امی نہ اٹھ سکیں، ان کا بخار تیز ہو گیا تھا۔ ناشتے میں بھی رانی کو ڈبل روٹی کھانا پڑی، حالاں کہ آج امی نے اس کے لیے آلو کا پراٹھا بنانا تھا۔
دادا ابو نے نسخہ میز پر رکھا دیکھا تو خوب حیران ہوئے۔
''یہ کیا، یہ یہاں کیسے آیا؟ کل اتنا ڈھونڈا، کہیں یہ تمھاری حرکت تو نہیں؟''
رانی، مجھے نہیں پتا کہہ کر منہ بنا کر اپنے کمرے کی جانب بھاگ گئی۔
''پتا نہیں، تمھیں کب پتا چلے گا!'' اسے دادا ابو کی آواز سنائی دی۔ وہ نسخہ تھامے دوائیاں لینے چلے گئے۔

......☆......

ابو واپس آ چکے تھے۔ شام تک امی کا بخار کم ہو گیا تھا، مگر ابو نے انھیں مزید آرام کا مشورہ دیا۔ رانی کا بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔
''امی کھانا کب بنانا شروع کریں گی؟ کتنے مزے مزے کے کھانے بناتی تھیں۔''
''کتنی بُری بات ہے بیٹا! آپ کو صرف اپنی پڑی ہے، امی کا

بھی احساس کرنا چاہیے۔'' ابو نے کہا تو وہ سٹپٹا گئی۔

''نن...... نہیں، میرا مطلب ہے کہ اب ہم کیا کھائیں گے؟ دادا جان کو بھی تو بھوک لگ رہی ہوگی۔''

''فکر نہ کرو، ہم خود بھی کچھ نہ کچھ بنا سکتے ہیں۔''

''آپ!؟'' وہ حیران ہوئی۔

''ہاں، کیوں نہیں! تم بھی ہماری مدد کرسکتی ہو۔ اب ''مجھے نہیں پتا'' کہہ کر کمرے میں نہ گھس جانا۔'' انھوں نے کہا تو اُسے ذرا سی شرمندگی ہوئی۔

پھر اُنھوں نے کتاب سے مدد لی اور کھچڑی کی ترکیب دیکھ کر آزمائی۔ اپنے لیے سبزی کا سالن بنایا۔ دادا جان اور رانی نے مٹر نکالے اور آلو چھیلے۔ حیرانی انھیں تب ہوئی جب رانی نے گاجریں صحیح کاٹ بھی لیں۔ اس نے ظاہر ہے امی کو ایسا کرتے ہوئے کئی مرتبہ دیکھا تھا، پھر وہ ذہین بھی تو تھی۔

''شاباش رانی! ہماری بیٹی کو تو کام کرنے آتے ہیں۔'' دادا جان نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

''مگر یہ کرتی نہیں کہ پھر کام چور کیسے رہے گی۔'' ابو نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا اور یوں باتوں کے ساتھ ساتھ کام کرتے ہوئے کھانا پک گیا۔

اسے خوش گوار حیرانی ہوئی کہ ابو اور دادا جان کو بھی باورچی خانے کا کام کرنا آتا ہے۔ اس نے اپنی حیرانی کا اظہار کیا تو اُبو نے کہا:

''اگر ہم کرنا چاہیں تو کچھ بھی مشکل نہیں۔'' اس نے دل ہی دل ان کی تائید کی۔

رات کو اَمی نے کھچڑی کھائی اور اُن تینوں نے مشترکہ محنت سے پکایا گیا سبزی کا سالن۔ روٹی، ابو باہر سے لے آئے تھے۔

''آہا! یہ تو بہت مزے دار ہے۔'' پہلا نوالہ منہ میں رکھتے ہی رانی نے کہا۔

''خود محنت کی ہو تو سب کچھ اچھا ہی لگتا ہے۔ خامیاں تو دوسروں کے کام میں نکالتے ہیں لوگ۔'' ابو نے ہنس کر کہا تو وہ بھی ہنس پڑی۔

''یہ بات تو ٹھیک ہے۔''

رات سونے سے پہلے اس نے اپنا کمرا سمیٹا۔ بستر بچھایا، کتابیں پڑھائی کی میز پر ترتیب سے رکھیں اور اِسکول لے جانے والی کتابیں اور کاپیاں بستے میں رکھیں۔ دھونے والے

کپڑے ٹوکری میں رکھ دیے اور الماری میں موجود صاف کپڑوں کی ترتیب درست کی۔ اپنی چیزیں خود سمیٹ کر اُسے انوکھی سی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

''اوہ! یہ سب کام اتنے بھی مشکل نہیں کہ میں خود کر نہ سکوں، اور یہ کتنی اچھی بات ہے کہ آئندہ ہر چیز کے لیے امی سے پوچھنا بھی نہیں پڑے گا کہ کہاں رکھی ہوئی ہے۔''

سونے سے پہلے وہ دودھ پینے کے لیے باورچی خانے میں آئی تو اُسے برآمدے میں دادا ابو کی عینک رکھی نظر آئی۔

واپس اپنے کمرے میں آتے ہوئے اس نے عینک اٹھائی اور دادا ابو کے کمرے میں رکھ آئی۔

''لو، اس میں تو کچھ بھی وقت نہیں لگا۔ بلاوجہ صبح دادا ابو اِسے تلاشتے رہتے۔''

اگلے روز شام تک امی بالکل ٹھیک ہو چکی تھیں۔ بخار اُتر گیا تھا اور کمزوری بھی کم ہو چکی تھی۔

......☆......

اگلے چند روز سکون سے گزر گئے۔

امی دیکھ رہی تھیں کہ رانی اچھی بچی بنتی جا رہی ہے۔ ہر چیز کے لیے وہ انھیں آواز نہیں دیتی اور اپنے کام مکمل کر کے ان کی تھوڑی بہت مدد بھی کرنے لگ گئی ہے۔

اس روز وہ سب گھومنے پھرنے کے لیے باہر جا رہے تھے۔ ابو اپنے جوتے ڈھونڈتے رہے، پھر اُنھوں نے اونچی آواز میں کہا:

''میرے جوتے کہاں ہیں؟''

''مجھے نہیں پتا۔'' رانی نے جلدی سے جواب دیا۔

ابو اور دادا جان نے اسے حیرانی سے دیکھا کہ آج یہ جملہ کئی دنوں بعد سننے کو ملا تھا۔

''مجھے واقعی نہیں پتا۔'' وہ جھینپ گئی۔

''مگر مجھے پتا ہے۔'' یہ کہہ کر امی مسکراتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔ وہ سب بھی مسکرانے لگے۔

بقیہ: سیرت کہانی

جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت مصعب بن عمیر عبدری رضی اللہ عنہ اپنے کافر بھائی ابو عزیز بن عمیر عبدری کے پاس سے گزرے۔ ابو عزیز نے مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی تھی اور اُس وقت ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ باندھ رہے تھے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے ان نصاری رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اس شخص کے ہاتھ مضبوطی سے باندھنا۔ اس کی ماں بہت مال دار ہے، وہ غالباً تمھیں اچھا فدیہ دے گی۔''

اس پر ابو عزیز نے اپنے بھائی حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا:

''میرے بارے میں تمھاری یہی وصیت ہے!؟''

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں، تمھارے بجائے یہ انصاری میرا بھائی ہے۔''

جب مشرکین کی لاشوں کو کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا گیا اور عتبہ بن ربیعہ کو گھسیٹ کر لے جایا جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بیٹے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر نظر ڈالی، دیکھا تو غم زدہ نظر آئے، ان کا چہرہ بدلا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ابو حذیفہ! غالباً اپنے والد کے (قتل کے) بارے میں تمھیں افسوس ہے؟'' انھوں نے کہا:

''نہیں، اللہ کی قسم! اللہ کے رسول! مجھے اپنے والد کے قتل ہونے کے حوالے سے ذرا بھی افسوس نہیں، البتہ میں اپنے والد کے متعلق جانتا تھا کہ ان میں سوجھ بوجھ ہے، فضل و کمال والے ہیں، اس لیے میں آس لگائے بیٹھا تھا کہ یہ خوبی انھیں اسلام تک پہنچا دے گی، لیکن اب ان کا انجام دیکھ کر اور اپنی توقع کے خلاف کفر پر اُن کا خاتمہ دیکھ کر مجھے افسوس ہو رہا ہے!''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خیر کی دعا فرمائی۔

......(جاری ہے)......

شگفتہ پارے

قارئین

☆ایک دوست (دوسرے سے):

''مجھے ایک منشی (کیشیئر) کی تلاش ہے۔''

دوسرا بولا: ''لیکن دو ماہ پہلے ہی تو تم نے منشی رکھا تھا۔''

پہلا: ''اسی کی تو تلاش ہے۔''

☆ گاہک: ''تمھاری بیکری کی ڈبل روٹی بہت خراب ہوتی ہے۔''

بیکری والا (غصے سے): ''میں اس وقت سے ڈبل روٹی تیار کر رہا ہوں جب آپ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔''

گاہک: ''ٹھیک ہے، بھلے آدمی! مگر اُس وقت کی ڈبل روٹی تم اِس وقت کیوں بیچ رہے ہو؟''

(انیسہ بنت محمد فیصل۔کراچی)

☆ایک صاحب ماہر فلکیات تھے۔ایک رات وہ دور بین آنکھوں سے لگائے تاروں کو دیکھ رہے تھے۔

موصوف کے ملازم بھی ساتھ موجود تھے۔ اتنے میں ایک ملازم نے آسمان پر ایک ستارہ ٹوٹتے دیکھا تو بولا:

''واہ صاحب! کیا نشانہ ہے آپ کا!''

☆ پپو: ''مجھے رات کو نیند میں گدھے فٹ بال کھیلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔''

ڈاکٹر: میں تمھیں دوائی دیتا ہوں، کھا لینا۔''

پپو: ''کل نہ کھالوں؟''

ڈاکٹر: ''کیوں!؟''

پپو: ''آج اُن کا فائنل ہے۔''

(انابیہ بنت محمد شعیب۔کراچی)

☆ایک آدمی بہت دکھی تھا۔

دوسرا آدمی: ''کیا بات ہے؟ کیوں دکھی ہو؟''

پہلا آدمی: ''یار! ایک دوست کو پلاسٹک سرجری کے لیے پیسے دیے تھے، اب وہ پہچانا نہیں جا رہا۔''

☆ ایک دوست (دوسرے سے):

''موبائل نیا لیا ہے؟''

دوسرا دوست: ''نہیں، کزن کا ہے۔''

پہلا دوست: ''کزن کا موبائل تمھارے پاس کیا کر رہا ہے؟''

دوسرا دوست: ''وہ جب بھی ملتا تھا تو کہتا تھا کہ 'تم میرا فون کیوں نہیں اُٹھاتے'، اس لیے میں نے اٹھا لیا۔''

(محمد یاسین۔حیدر آباد)

☆جج: ''جرم ثابت ہو گیا ہے۔کل تمھیں پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔''

مجرم: ''وہ تو ٹھیک ہے، لیکن اُتارا کب جائے گا؟ میں شام کو ٹیکسی بھی چلاتا ہوں۔''

☆ پاکستانی کے گھر چائنیز اور امریکن مہمان آئے۔

چائنیز: ''میں آنکھیں بند کر کے گھڑی پر ہاتھ رکھ کر وقت بتا سکتا ہوں۔''

امریکن: ''میں سورج کو دیکھ کر وقت بتا سکتا ہوں۔''

اتنے میں پاکستانی زور سے ہنسا اور بولا:

''چلو جی، آٹھ بج گئے۔'' چائنیز اور امریکن ایک دم حیران رہ گئے اور بولے:

''تم نے کیسے وقت بتا دیا؟''

پاکستانی: ''ارے! بجلی چلی گئی ہے۔''

(محمد اسماعیل۔ٹھٹھہ)

☆ سپاہی (ڈرائیور سے): ''جب میں نے اشارہ کیا تو تم رُکے کیوں نہیں۔''

ڈرائیور: ''جناب! میں سمجھا کہ آپ مجھے سلام کر رہے ہیں۔''

(عبدالواحد۔ٹنڈو الہ یار)

جھوٹا کہیں کا

فاتح کون ۲

۲۰

نذیر انبالوی۔ لاہور

کمرے میں ایک طرف عبداللہ اور اَحمد کا سامان رکھا ہوا تھا۔

آہٹ ہونے پر دونوں اٹھ بیٹھے۔

''مجھے تو لگ رہا ہے کہ ہم نے یہاں آ کر غلطی کی ہے، میرا خیال ہے کہ سرائے کا مالک ہمیں لوٹنا چاہتا ہے۔ ہمارا سارا مالِ تجارت بک چکا ہے، ہمارے پاس خاص رقم ہے، اگر یہ رقم کا مطالبہ کرے تو ہمیں خاموشی سے رقم اسے دے دینی چاہیے، جان ہے تو جہان ہے، زندہ رہے تو پھر پیسے کمالیں گے۔'' عبداللہ نے احمد کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال تم سے مختلف ہے، سلیم مجھے شریف انسان لگتا ہے، وہ ایسا نہیں کرسکتا۔'' احمد نے اپنی رائے دی۔

''خاموش! وہ دیکھو، کوئی ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔'' عبداللہ نے سرگوشی کی۔

مارے خوف کے دونوں کے دل تیزی سے دھک دھک کر رہے تھے۔ نقاب پوش پہلے ان کے سامان کی تلاشی لینے لگا۔ جب وہاں اسے اس کی مطلوبہ چیز نہ ملی تو وہ دونوں کی طرف بڑھا۔

دونوں جھوٹ موٹ سوئے ہوئے تھے، نقاب پوش نے دونوں کو ٹھوکر مار کر کہا:

''اٹھو!''

دونوں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔

''کون ہو تم؟'' عبداللہ نے نقاب پوش کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''سوال مت کرو، نقدی نکالو، جلدی کرو۔'' نقاب پوش چلّایا۔

عبداللہ اور اَحمد نے نقاب پوش کے ہاتھ میں خنجر دیکھا تو پیسوں کی پوٹلی نقاب پوش کی طرف بڑھائی۔

''اب منہ دیوار کی طرف کرو، کوئی چالاکی مت کرنا۔'' نقاب پوش نے پیسوں کی پوٹلی بغل میں دباتے ہوئے خنجر کو لہراتے ہوئے دونوں کو مخاطب کیا۔ اس سے قبل کہ نقاب پوش کمرے سے باہر جاتا۔ احمد نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ نقاب پوش کو پشت کی جانب سے دبوچ لیا۔ احمد کو ایسا کرتے دیکھ کر عبداللہ بھی آگے بڑھا۔ اب دونوں نقاب پوش کو اپنی گرفت میں لے چکے تھے۔

''تم دونوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ مجھے چھوڑ دو، مجھے پکڑ کر تمھارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا، چھوڑ دو مجھے۔'' نقاب پوش چلّایا۔

’’کمرے میں اتنا شور ہو رہا ہے، مگر سلیم سو رہا ہے، میرا خیال ہے کہ وہ بھی نقاب پوش کے ساتھ ملا ہوا ہے۔‘‘ احمد نے نقاب پوش کو دھکا دے کر ایک طرف گراتے ہوئے کہا۔

’’یہ بات تو قابلِ غور ہے، کہیں یہ سلیم تو نہیں، اتارو اِس کا نقاب، جلدی کرو۔‘‘ عبداللہ نے نقاب پوش کو دوبارہ بازو سے پکڑ لیا تھا۔

کچھ دیر بعد نقاب اترا تو دونوں اپنے سامنے سلیم کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔

’’تم!؟‘‘ دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

’’ہاں، میں۔ تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکو گے، باہر میرے آدمی کھڑے ہیں۔ عافیت اسی میں ہے کہ تم مجھے یہاں سے جانے دو۔‘‘ سلیم نے اتنا کہا تو عبداللہ نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ اسے یاد آیا کہ جب وہ سرائے میں آئے تھے تو سلیم کی پیشانی پر چوٹ کا نشان تھا۔ اب ان کے سامنے جو سلیم تھا، اس کی پیشانی پر چوٹ کا نشان نہیں تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

’’تھیلے میں سے رسی نکالو۔‘‘ عبداللہ نے سلیم کو دونوں بازوؤں سے پکڑتے ہوئے احمد کو مخاطب کیا۔

پھر اُنھوں نے سلیم کو رَسی سے باندھ دیا، مگر اُس کی زبان ابھی تک کھلی تھی۔

’’تم اپنے لیے خود مشکلات پیدا کر رہے ہو، کھول دو مجھے، ورنہ میرے آدمی اندر آ جائیں گے، وہ زیادہ دیر باہر انتظار نہیں کریں گے۔‘‘ سلیم یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک اور نقاب پوش کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں بھی خنجر تھا۔ عبداللہ اور اَحمد ذہنی طور پر آنے والے ہر خطرے کے لیے خود کو تیار کر چکے تھے۔ نقاب پوش جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا۔ دونوں نے اسے دبوچ لیا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں بے بس ہو کر دیوار کے ساتھ پڑا تھا۔ عبداللہ نے ساتھ والے دروازے پر دستک دی تو سلیم کی بیگم نے دروازے کی اوٹ سے پوچھا۔

’’بھائی صاحب! کیا کسی چیز کی ضرورت ہے؟‘‘

’’نہیں بہن جی! لیکن کیا آپ لوگ اسی طرح مسافروں کو لوٹتے ہیں؟‘‘

’’کس طرح؟‘‘ سلیم کی بیگم نے پوچھا۔

’’جس طرح سلیم نے ہمیں لوٹنے کی کوشش کی ہے۔‘‘

’’سلیم نے!؟‘‘ وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

’’سلیم اس وقت ہمارے قبضے میں ہے، اس نے تو مسافروں کو لوٹنے کے لیے پورا گروہ بنایا ہوا ہے، اس کا ایک ساتھی بھی ہمارے گرفت میں ہے، ہم جا رہے ہیں۔ ہم سب کو بتائیں گے کہ اس سرائے میں کوئی نہ آئے۔‘‘ عبداللہ کی بات سن کر سلیم کی بیگم نے کہا:

’’بھائی صاحب! کچھ دیر اِنتظار کریں، ابھی آپ کو حقیقت کا علم ہو جائے گا، تھوڑی دیر رُکیے۔‘‘

تین چار منٹ کے بعد دوسرے کمرے سے سلیم نکل کر اُن کے سامنے آیا تو دونوں حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگے۔

’’یہ کیا چکر ہے؟‘‘ عبداللہ نے سلیم کو دیکھ کر کہا۔

’’یہ لمبا چکر ہے، میں سلیم ہوں اور جسے تم سلیم سمجھ کر رسی سے باندھ کر کمرے میں چھوڑ آئے ہو وہ نعیم ہے۔‘‘ سلیم نے اتنا کہا تو اَحمد نے دہرایا:

’’نعیم!‘‘

’’جی، میرا جڑواں بھائی نعیم، نکما، بے کار، جھوٹا، حاسد۔ میرے لیے مشکلات کا سامان کرتا رہتا ہے۔ میں شرمندہ ہوں کہ نعیم کی وجہ سے آپ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔‘‘ سلیم نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد نعیم اور اُس کا ساتھی دلاور رَسیوں سے آزاد ہو چکے تھے۔

’’اب یہاں سے جاؤ، ورنہ پولیس کو بلا لوں گا۔‘‘ سلیم نے ناخوش گوار انداز میں نعیم کو گھورتے ہوئے کہا۔

عبداللہ اور اَحمد نے پیسوں کی پوٹلی اُٹھائی اور وہاں سے جانے لگے تو سلیم بولا:

’’میں آپ کو اِس وقت یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔ آپ فکر مت کریں، آپ اب محفوظ ہیں۔ نعیم راستے سے بھٹک

گیا ہے، یہ بھی اچھا انسان تھا، پر جھوٹ اور حسد نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ ابھی رک جائیے، صبح سورج نکل آئے تو چلے جائیے گا۔ میں آپ کو نعیم کے بارے میں سب کچھ بتاؤں گا، اس سے آپ کا دِل اس کی طرف سے صاف ہو جائے گا۔''

عبداللہ نے احمد کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ سمجھایا۔

''میرا دِل کہتا ہے کہ سلیم اچھا انسان ہے۔''

عبداللہ یہ کہہ کر بیٹھ گیا۔ احمد کو بھلا اب کہاں جانا تھا۔ وہ بھی فرشی بستر پر بیٹھ گیا۔ ان کے سامنے خشک میوہ جات کی پلیٹ رکھ کر سلیم بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''میرے والد اس علاقے کے بڑے کاشت کار تھے۔ ہمارے کھجوروں کے باغات تھے۔ اللہ تعالیٰ کا دیا سب کچھ ہمارے گھر میں تھا۔ ہمارے والد نے بتایا تھا کہ جب ہم جڑواں بھائی پیدا ہوئے تو علاقے میں مسکینوں کو کھانا کھلایا گیا اور خیرات کی گئی تھی۔ ہم دونوں کی شکلیں اتنی ملتی جلتی تھیں کہ بعض اوقات ہماری امی جان کو بھی دھوکا ہو جاتا تھا، پھر ایک نشانی سے ہم دونوں کو گھر والوں کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگ بھی پہچاننے لگے۔''

''اور وہی نشان آپ کی پیشانی پر ہے، یہ کیسا نشان ہے!'' عبداللہ نے سلیم کی بات درمیان سے اُچک لی۔

''نعیم! بچپن ہی سے جھگڑالو، جھوٹا اور حسد کرنے والا ہے۔ اسکول میں ماسٹر خدا بخش صاحب میری بہت تعریف کرتے تھے، یہ بات نعیم کو اچھی نہیں لگتی تھی۔ جب مجھے شاباش ملتی تو نعیم حسد کے مارے جل جاتا۔ میں نے عالمی یومِ صفائی کے موقع پر تقریر کی تو اُسے بہت پسند کیا گیا۔ مجھے کتاب کے ساتھ نقد اِنعام بھی ملا۔ یہ بات نعیم کو پسند نہ آئی۔ اس نے تختی میرے ماتھے پر دے ماری۔ خون تھا کہ بند ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا، زخم گہرا ہونے کے باعث ڈاکٹر نے سات ٹانکے لگائے، میری پیشانی پر وہی نشان ہے۔'' سلیم اتنا کہہ کر کچھ دیر کے بعد خاموش ہوا تو احمد نے سوال کیا:

''اب تو لگتا ہے کہ آپ کی مالی حالت کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے، کھجوروں کے باغات کیا ہوئے؟''

''نعیم نے دھوکے سے باغات بیچ دیے، ساری دولت بُری صحبت میں اُڑا دی۔ میں نے تو نئے سرے سے زندگی شروع کی ہے، میرا شہد کا چھوٹا سا کاروبار ہے اور یہ چھوٹی سی سرائے ہے، جس سے کچھ آمدنی ہو جاتی ہے، بس زندگی کی گاڑی چل رہی ہے۔'' سلیم یہ کہتے ہوئے آب دیدہ ہو گیا۔

''آپ اور نعیم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔'' عبداللہ بولا۔

''نعیم پہلے اچھا نہیں، بل کہ بہت اچھا تھا، مگر پھر بھٹک گیا، اس نے جھوٹ سے دوستی کر لی۔ یہ دوستی اس وقت ہوئی تھی جب نعیم نے ابا جی کی جیب سے پیسے نکال لیے تھے۔ جب ابا جی کو اِس بات کا علم ہوا تو نعیم نے جھٹ جھوٹ بول دیا تھا۔ میں نے سچ بولا تھا، اس لیے مجھے شاباش ملی تھی۔ ایک رات ہم اپنے کمرے میں موجود تھے کہ بھیانک شکل لیے اچانک جھوٹ ہمارے سامنے تھا۔''

''جھوٹ اور آپ لوگوں کے سامنے!؟'' احمد کو تو جیسے یقین

ہی نہیں آ رہا تھا۔

”ہاں، بدصورت جھوٹ ہمارے سامنے تھا۔ نعیم نے ابا جی کی جیب سے پیسے چرا کر خوب مزے مزے کی چیزیں کھائی تھیں، جھوٹ مجھے بھی ورغلانے لگا اور کہنے لگا:

”مجھ سے دوستی کرلو، پھر مزے مزے کی چیزیں کھاؤ۔“

”میں تم سے دوستی نہیں کروں گا، تم گندے ہو، جھوٹے ہو۔ میرا دوست تو سچ ہے، میں سچ ہی سے دوستی برقرار رکھوں گا۔“

”پھر؟“ عبداللہ نے پوچھا۔

”بس، اس وقت سے اب تک سچ سے دوستی برقرار ہے۔“ سلیم کا جملہ سن کر کمرے میں چھپے جھوٹ نے قہقہہ لگایا اور حسد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”جھوٹا کہیں کا!“

”جو تمھارے راستے پر چلے گا، وہ جھوٹا ہی کہلائے گا۔ اس نے تو نعیم کو بھی مات دے دی ہے۔“ حسد بولا۔

”دونوں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، جو نعیم کے وار سے بچ جائے وہ سلیم کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔ بے چارے مسافر، اب تو بچ نہ پائیں گے۔“ جھوٹ نے سرگوشی کی۔

”جی سنیے، قہوہ تیار ہے۔“ سلیم اپنی بیگم کی آواز سُن کر دوسرے کمرے میں گیا۔

تینوں نے قہوہ پیا۔ عبداللہ اور اَحمد کے سَر چکرانے لگے۔

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ سلیم کو تو کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ اسے کچھ ہوتا بھی کیوں؟ اس کا قہوہ دوسری پیالی میں تھا، جس میں کچھ نہیں ملایا گیا تھا۔ سر چکرانے کے بعد عبداللہ اور اَحمد پر غنودگی طاری ہوئی، جن سے ان کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ انھیں سوتا دیکھ کر سلیم نے قہقہہ لگا کر کہا:

”میں نے ہمیشہ سچ سے دوستی کی ہے۔“

”جھوٹا کہیں کا!“ جھوٹ کی بات سن کر سلیم، جھوٹ اور حسد نے قہقہہ بلند کیا۔

(اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ جاننے کے لیے پڑھیے اگلی قسط)

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر ماہ نامہ ذوق وشوق کی زینت بنے تو مندرجہ ذیل چیزوں کا خیال رکھیے:

- اگر آپ ڈاک کے ذریعے تحریر بھیج رہے ہیں تو رجسٹر سائز کے بڑے صفحے پر ایک طرف لکھیے۔
- سطر چھوڑ کر لکھیے۔
- صفحے کی پیشانی پر اپنا نام، رابطہ نمبر اور مکمل ڈاک پتا لکھیے۔
- کئی عنوانات کے تحت لکھا گیا مواد یکجا نہ کیجیے، بل کہ ہر ہر چیز کو علیٰحدہ صفحے سے شروع کیجیے۔
- کوئی نظم لکھی ہے تو بھیجنے سے پہلے اگر ممکن ہو تو کسی پختہ شاعر کو دکھا دیجیے۔
- کوئی اسلامی یا تاریخی واقعہ بھیج رہے ہوں تو آخر میں مکمل حوالہ ضرور لکھیے۔
- کوشش کر کے از خود کہانی لکھیے، کہیں بھی شائع شدہ کہانی یا کسی کی کہانی نقل کر کے نہ بھیجیے اور خیال رکھیے کہ آپ کی کہانی دل چسپ ہو۔
- تحریر ای۔میل یا واٹس ایپ کر رہے ہوں تو اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ تحریر کی ٹائپنگ صحیح ہو، پیراگراف بنے ہوئے ہوں، ہر لفظ کے بعد فاصلہ ہو، ڈیش کے بعد فاصلہ ہو، نہ کہ ڈیش سے پہلے، اسی طرح رموز واوقاف کے بعد فاصلہ ہو، یعنی اسپیس بار لگا ہوا ہو۔
- تحریر واٹس ایپ (0324-2028753) یا ای۔میل (zouqshouq@hotmail.com) کے ذریعے بھیج رہے ہوں تو نام، مکمل ڈاک پتا اور رابطہ نمبر ضرور لکھیے۔
- انعامی یا مستقل سلسلوں کے لیے بھیجی جانے والی چیز کا عنوان لفافے پر بھی ضرور لکھیے۔ آپ انعامی سلسلے کو پن قلم سے بھر کر اور جواب صاف صفحے پر واضح لکھ کر واٹس ایپ بھی کر سکتے ہیں۔
- کسی تہوار یا دن کی مناسبت سے کوئی تحریر بھیجنا چاہیں تو دو ماہ قبل بھیجیے۔
- اپنی تحریر ارسال کرنے سے پہلے اس کی ایک عدد فوٹو کاپی اپنے پاس ضرور رکھ لیجیے اور ہمیں اصل کاپی ارسال کیجیے۔
- تحریر میں بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔
- نامحرم کا میل میلاپ یا گفتگو نہ ہو۔
- تحریر فلم، گانے وغیرہ سے پاک ہو۔ غیر شرعی تقریبات کا ذکر نہ ہو۔
- واٹس ایپ/ای۔میل پر ٹیکس والی تحریر کی ٹائپنگ صحیح ہو، فاصلے اور پیراگراف کا خاص خیال رکھیے۔

(ادارہ)

ختم نبوت کے سپاہی

محمد زبیر زائر۔گگومنڈی

ازل سے ہے یہ قانونِ الٰہی
جو الجھا حق سے ، ہے اس کی تباہی
جلائیں گے چراغِ حق لہو سے
کہ ہر باطل کی مٹ جائے سیاہی

جھکا ہم کو نہ پائیں قادیانی
ہیں ہم ختم نبوت کے سپاہی
ہماری غور سے سن قادیانی
کہ بس ہم چاہتے ہیں خیر خواہی

نہیں کرتے کبھی کانٹوں کی پروا
ہیں مجنوں ، ہم رہِ الفت کے راہی
نہ ہم بیچیں گے دنیا کے لیے دیں
کہ محشر میں نہ کام آئے گی شاہی

ہے کافر ، منکرِ ختمِ نبوت
ہے قرآں کی ''زبیر'' اس پر گواہی

موقع

سرتاج احمد حسن زئی۔ کراچی

چونک گئے نا آپ ''موقع'' دیکھ کر۔

بھئی، کیا کریں، موقع چیز ہی ایسی ہے، ہر بندہ موقع کی تاک میں ہے، ہر شخص کو موقع کی تلاش ہے۔

اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ہر کوئی اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے۔ جہاں ذرا سا موقع ملا فوراً اُس سے فائدہ اٹھالیا۔

بھئی، اصل چیز موقع نہیں، بل کہ موقع سے فائدہ اٹھانا ہے، کیوں کہ موقع تو مل ہی جاتا ہے، مگر موقع سے فائدہ اٹھانے کا موقع بہت کم لوگوں کو ملتا ہے۔ بس کمال کے لوگ وہی ہیں جو موقع سے فائدہ اٹھائیں اور وہی لوگ کام یاب ہوتے ہیں۔

آپ تنگ تو نہیں آ گئے کہ بھئی یہ کیا موقع، موقع کی گردان لگا رکھی ہے۔ بھلا یہ کوئی موقع ہے سسپنس پھیلانے کا۔

جلدی سے بتائیں کہ ''موقع'' کیا ہے؟

بھئی، صبر کریں، بتانے کا موقع آئے گا تو ہم آپ کو بتائیں گے کہ وہ کون سا موقع ہے جس کی طرف ہم آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ ویسے تو یہ دنیا بھی موقع ہی موقع ہے۔ آخرت سنوارنے کا، جنت کمانے کا، مگر کیا کریں، ہم دنیا میں دنیا ہی کے چکر میں پڑ گئے ہیں اور آخرت کمانے کا سنہری موقع گنوائے جا رہے ہیں۔

اب بھی موقع ہے کہ ہم سدھر جائیں اور اللہ تعالیٰ کو راضی

کر کے آخرت سنوار دیں۔ آخرت سنوارنے، جنت کمانے کے لیے ہمارے پاس موقع ہی موقع ہے۔ زندگی موقع، وقت موقع، صحت موقع، اعضا کی سلامتی موقع، سب کچھ، مگر موقع سے فائدہ اٹھانے کا گُر ہمارے پاس نہیں۔

اگر یہ گُر ہمیں آجائے ناتو سمجھیں کام بن گیا۔

دراصل ہم سامنے کی اور نظر آنے والی چیز کو اُصل سمجھتے ہیں، اسی کو حاصل کرنے کے چکر میں رہتے ہیں اور نظر نہ آنے والی چیز، چاہے جتنی اہم ہو، ہم اسے اہمیت نہیں دیتے۔

بس ہم آرام پسند ہو گئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں آرام ملے، اس کے بدلے چاہے کتنا ہی نقصان کیوں نا ہو جائے۔

چلیے، ایک چھوٹی سی کہانی سناتے ہیں آپ کو، جو ہمیں ہمارے اکثر اَساتذہ نے سنائی ہے۔

کہانی کچھ یوں ہے کہ ایک شخص بہت غریب تھا۔ بے چارہ غربت کا مارا دَربدر پھرتا رہا۔ آخر بادشاہ کے محل پہنچا اور بادشاہ کو اپنی رُوداد سنائی، اپنی غریبی اور تنگ دستی کا رونا رویا۔

بالآخر بادشاہ نے ترس کھا کر اُسے ایک کمرا دکھایا اور کہا کہ شام تک تمھیں موقع دیا جاتا ہے۔ یہ کمرا سونے اور جواہرات وغیرہ سے بھرا ہوا ہے۔ شام تک تم جتنا خزانہ نکالو گے وہ سب تمھارا ہو جائے گا۔

وہ آدمی خوشی خوشی اس کمرے میں داخل ہوتا ہے۔

کیا دیکھتا ہے کہ کمرا سونا چاندی اور ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا ہے۔ وہ جیسے ہی خزانے کی طرف دیکھتا ہے تو اُس کی نظر ایک طرف سجے دسترخوان پر پڑتی ہے، جس پر نہایت عمدہ اور لذیذ کھانے چنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کی خوش بُو اسے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ وہ یہ سوچ کر کہ کافی عرصے سے پیٹ بھر کر کچھ کھایا نہیں اور اِتنا لذیذ کھانا تو بالکل نہیں کھایا، کھانے پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

وہ خوب پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ایک خوب صورت پلنگ ہے، جس پر خوب صورت نرم گدے ہیں، بہترین مخمل کی چادر بچھی ہوئی ہے۔ وہ پلنگ پر بیٹھتا ہے۔ جیسے ہی وہ نرم نرم گدوں پر بیٹھتا ہے اسے نیند آنے لگتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ ابھی شام تک بہت وقت ہے۔ اگر میں کچھ دیر سستالوں تو کیا مضائقہ!

بس وہ گدھے گھوڑے بیچ کر سو جاتا ہے۔ اتنے میں شام ہو جاتی ہے۔ جیسے ہی شام ہوتی ہے، بادشاہ کے سپاہی آکر اُسے اٹھاتے ہیں اور کمرے سے باہر نکال دیتے ہیں۔ وہ بہت چیختا چلاتا ہے کہ ابھی تو میں نے ایک سکہ بھی نہیں اٹھایا، مگر سپاہی کہتے ہیں کہ بس اب وقت ختم ہو گیا ہے۔ یوں وہ شخص موقع گنوا دیتا ہے۔

تو دوستو! یہی حال ہمارا ہے۔ صحت، جوانی اور فارغ وقت، فالتو چیزوں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ کام بعد میں کر لیں گے، مگر ہمیں احساس نہیں ہوتا اور ہم وقت ضائع کر دیتے ہیں، پھر بیٹھ کر اَفسوس کرتے ہیں کہ جب وقت تھا تو ہم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔

کیا خوب کہا ہے کسی نے کہ ہم ماضی میں مستقبل کے منصوبے بناتے ہیں اور مستقبل میں ماضی کو یاد کر کے روتے رہتے ہیں۔ یوں ہم اپنا حال برباد کرتے رہتے ہیں۔

تو اَب بھی موقع ہے، اس سے فائدہ اٹھائیے۔

آپ ابھی بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

چلیے دوستو! ایک موقع ہم آپ کو بتاتے ہیں، مگر اِس سے فائدہ اٹھانا آپ کا کام ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ رمضان المبارک کی آمد آمد ہے۔

رمضان وہ مہینا ہے، جس میں انعاماتِ باری تعالیٰ کی بارشیں ہوتی ہیں۔ یہ رحمتوں اور برکتوں کا مہینا ہے۔ اس میں ایک نیکی کا اَجر ستر گنا زیادہ ملتا ہے، اسی طرح دیگر عبادات ہیں۔

ویسے ہم رمضان کا انتظار کرتے ہیں کہ فلاں کام (نیکی کے) رمضان میں کریں گے، فرصت ہوگی اور جیسے ہی رمضان کا مہینا آتا ہے، ہم پر سُستی اور غفلت طاری ہو جاتی ہے اور رمضان غفلت میں گزر جاتا ہے، پھر ہم ہاتھ ملتے رہتے ہیں۔

پھر کیا خیال ہے؟ اٹھائیں گے نا فائدہ اس ''موقع'' سے!

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ
ماہ نامہ
ذوق و شوق
کراچی
خوش خبری
جون 2023، گرمیوں کی چھٹیوں کی خوشی کے ساتھ ساتھ آپ کے لیے لا رہا ہے......
ایک اور خوشی، ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' کا
سال نامہ
جس میں آپ کو ملیں گی......
مزے دار کہانیاں
چٹ پٹے لطائف
دل چسپ مضامین
اور اِنعامات حاصل کرنے کے ڈھیروں مواقع......
تو ہو جایئے تیار......
اور ہاں......
اللہ تعالیٰ سے اس ''سال نامے'' کے لیے
خصوصی دعاؤں کا اہتمام ضرور کیجیے گا۔
(ادارہ)

قرآن مجید کے حقوق ۳

خنساء محمد جاوید۔ لاہور

''چلو، اب دوسرے حق کے متعلق جانتے ہیں۔

بیٹا! قرآن پاک کا پہلا حق تھا کہ ہم اس پر سچے دل سے ایمان لائیں۔ اس کا دوسرا حق یہ ہے کہ ہم اس کی تلاوت کریں۔ اسے اس طرح پڑھیں جس طرح اس کے پڑھنے کا حق ہے، یعنی تجوید کے ساتھ۔

نئے لکھاری

ارشادِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''میری امت کی سب سے افضل عبادت قرآن مجید کی تلاوت کرنا ہے۔

(شعب الایمان، الرقم: ۲۰۲۲)

اگر ہم قرآن مجید کو اُس کے آداب کی رعایت کے ساتھ پڑھیں گے تو وہ بروزِ قیامت اللہ عزوجل کے سامنے ہماری شفاعت کرے گا۔''

''جی امی! ہماری استانی بھی یہی بتاتی ہیں کہ قرآن پاک اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کا ذریعہ ہے۔''

''ماشاء اللہ! بہت عمدہ علی! اب آپ بھی یہ ٹھان لو کہ قرآن مجید کی روزانہ تلاوت کرنی ہے۔''

''ٹھیک ہے امی!''

''اچھا چلیں، تیسرا حق ہے: قرآن مجید کو سمجھنا۔ علی! ہماری قومی زبان کون سی ہے؟''

''امی! اردو۔''

''ہمم......اسی طرح قرآن مجید کی زبان عربی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی پسندیدہ زبان میں نازل فرمایا ہے۔''

''لیکن امی! اس زبان کو تو صرف عرب کے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔''

''جی بالکل! اسے بآسانی عرب کے لوگ سمجھ سکتے ہے، لیکن قرآن مجید صرف ایک یا دو ممالک کے لیے یا صرف عربی زبان بولنے والوں کے لیے نازل نہیں ہوا، بل کہ یہ تو پوری کائنات کی راہ نمائی اور ہدایت کے مقاصد کے لیے نازل ہوا ہے اور قیامت تک یہ ہماری راہ نمائی کرے گا۔ اگر ہمیں عربی زبان سمجھ میں نہیں آتی تو ہم پر لازم ہے کہ عربی زبان سیکھیں اور ہم قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اسے سمجھنے کی بھی کوشش کریں۔ ایک روایت میں ہے:

القراٰن حجۃ لك او علیك

(قرآن مجید دلیل ہے، یا تو تمھارے حق میں یا تمھارے خلاف۔)

(الصحیح لمسلم، الطھارۃ، فضل الوضوء، الرقم: ۲۲۳)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص قرآن سیکھے، مگر اُس سے غفلت کرے، قرآن اس کے خلاف دلیل ہوگا، اور اِس سے بڑھ کر اُس شخص کے خلاف دلیل ہوگا جو قرآن مجید کے حق

میں کمی کرے اور اُس سے ناواقف رہے۔

(تفسیر قرطبی، ج:۱، ص:۱۹)

''اس کا مطلب یہ ہوا امی! کہ ہمیں قرآن مجید کو اچھے طریقے سے سمجھنا چاہیے۔''

''جی، امی کی جان!''

''ٹھیک ہے امی! میں بھی قرآن مجید مکمل کرنے کے بعد اُسے سمجھنے کی کوشش کروں۔'' علی کی دل چسپی دیکھ کر صبا بیگم کے دل سے اس کے لیے دعا نکلی۔

''اب آتے ہیں چوتھے حق کی طرف، اور وہ ہے: قرآن مجید پر عمل۔ پہلے ہم نے کیا کیا؟ قرآن مجید پر اِیمان لائے، اس کی تلاوت کی، اسے سمجھا اور اَب ہمارے ذمے حق ہے کہ ہم اس پر عمل کریں۔

کیوں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ذمے جو حقوق وفرائض لگائے ہیں ان پر عمل کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔

اب رہ گیا پانچواں حق: قرآن مجید کی تبلیغ۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ کا فرمان ہے: تم سب میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

(البخاری، فضائل القرآن، خیر کم من تعلم القرآن وعلمه، الرقم: ۴۷۳۹)

ہر مسلمان مومن مرد وعورت پر فرض ہے کہ وہ قرآن مجید کی روشنی اور آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی راہ نمائی میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اِشاعت کرے، ان کی تعلیمات کو پھیلائے اور جو سیکھا ہے اُسے دوسروں تک پہنچانے کی بھر پور کوشش کرے۔''

''لیکن امی اس سے کیا ہوگا؟'' علی نے فوراً میں سوال کیا۔

''بیٹا! اس سے لاعلم لوگوں کو دین کی معلومات حاصل ہوگی، جہالت کا خاتمہ ہو سکے گا، غیر مسلم اور دوسرے مذہب کے لوگ اسلام جیسے حقیقی مذہب سے جڑ جائیں گے اور اِسلام پوری دنیا میں پھیلتا چلا جائے گا۔''

''امی! کیا آپ ﷺ نے بھی قرآن مجید سے تبلیغ کی تھی؟''

''جی بیٹا! آقا دو جہاں ﷺ نے بھی قرآن پاک کے ذریعے بہت زیادہ تبلیغ کی۔ ان کے وصال کے بعد خلفائے راشدین، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اولیاءِ اکابر اور بزرگانِ دین نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اِسلام کی تبلیغ کی اور ہم تک صحیح معنوں میں دین پہنچایا۔'' اتنا کہہ کر صبا بیگم پانی کا گلاس اٹھا کر پینے لگیں۔

''ٹھیک ہے امی! اب میں بھی قرآن مجید کے حقوق ادا کروں گا اور اِن کے بارے میں اپنے دوستوں اور ہم جماعت ساتھیوں کو بھی بتاؤں گا۔''

یہ سن کر صبا بیگم نے علی کے رخسار پر پیار سے ہاتھ پھیر کر اُسے شاباش دی۔

ختم شد

آزادی ایک نعمت

ثمینہ خالد۔آزاد کشمیر

احمد اور علی، صبح سویرے اٹھ گئے، کیوں کہ ان کے ابو نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اتوار والے دن انھیں چڑیا گھر لے کر جائیں گے۔

سب نے ناشتا کیا اور چڑیا گھر کی سیر کے لیے نکل گئے۔ موسم خوش گوار تھا۔

چڑیا گھر پہنچ کر دونوں بچے سب سے پہلے بندروں کے پنجرے کے پاس گئے۔ بندر اُنھیں دیکھ کر اٹھکیلیاں کرنے لگے۔ اس کے بعد وہ شیر کے پنجرے کے پاس چلے گئے۔ جنگل کا راجا خوں خوار شیر کتنا مایوس اور اُداس لگ رہا تھا۔ بچے ایک طرف اپنی تفریح کی وجہ سے خوش تھے تو دوسری طرف وہ ان جانوروں کو قید دیکھ کر اُداس بھی ہو رہے تھے۔

علی نے شیر کو اِس طرح بے بس دیکھا تو اَبو سے مخاطب ہوا:

''ابو جان! ان جانوروں کو ہماری خوشی کا سامان بنا کر اور کاروبار کی غرض سے قید کر لیا جاتا ہے، لیکن ان کے لیے کتنا بُرا ہے نا یہ!؟ اپنا جنگل، اپنے پیاروں کو چھوڑ کر یہ سب یہاں قید ہیں۔ میں جب بڑا ہو جاؤں گا تو بہت سے پیسے کما کر اِن سب جانوروں کو آزاد کروا دوں گا۔''

ننھے علی کی اتنی بڑی بات سن کر اُس کے ابو نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اس کے بعد وہ ہاتھیوں کی طرف گئے۔ انھوں نے ہاتھیوں کو کھانا کھلایا۔

چڑیا گھر کی سیر کر کے وہ تھک چکے تھے۔ وہ یہ سوچتے ہوئے گھر کی طرف چل دیے کہ آزادی بہت بڑی نعمت ہے۔

انوکھا غار

بشریٰ اقبال۔ کراچی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ وہ روز جنگل میں اپنا شکار ڈھونڈنے کے لیے جاتا تھا اور کسی بھی چھوٹے جانور کا شکار کر کے گزر بسر کرتا تھا۔

آج بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ شیر اپنا شکار کرنے کے لیے جنگل میں گھوم رہا تھا، لیکن کافی دیر اِنتظار کرنے کے بعد اُسے کوئی جانور نظر نہیں آیا۔ آہستہ آہستہ سورج غروب ہو رہا تھا اور شیر کی بھوک میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ رات ہونے کو تھی، لیکن اسے اپنا شکار نہیں ملا تھا۔

راستے میں اسے ایک غار نظر آیا۔ اس نے سوچا کہ کوئی نہ کوئی جانور یہاں سونے ضرور آئے گا تو میں اس کا شکار کر لوں گا، اسی لیے وہ غار میں چھپ کر بیٹھ گیا۔

یہ غار ایک بھیڑیے کا گھر تھا، جو روز شام کو سونے کے لیے یہاں آتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ غار کے اندر جاتا، اس نے دیکھا کہ وہاں کچھ پنجوں کے نشانات موجود ہیں۔ بھیڑیا بہت ہی چالاک تھا، وہ سمجھ گیا کہ اندر کوئی جانور چھپا بیٹھا ہے۔ اچانک اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔

اس نے کچھ سوچا اور پھر زور سے کہا:

''غار، غار! مجھے پکار۔''

شیر کو بھیڑیے کی آواز آئی تو بہت خوش ہوا، لیکن اس نے کوئی آواز نہیں نکالی اور بھیڑیے کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد پھر بھیڑیے کی آواز آئی، جو غار سے بات کر رہا تھا:

''تم مجھے روز اَندر بلاتے ہو، لیکن آج تم خاموش ہو، مجھے اندر بلانا نہیں چاہتے تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔''

شیر یہ سب سن کر بہت پریشان ہوا کہ اگر بھیڑیا چلا گیا تو وہ بھوکا ہی رہ جائے گا۔ یہ خیال آتے ہی شیر بہت زور سے دھاڑا۔ اسے خیال آیا کہ یہ غار ایک انوکھا غار ہے، لیکن ایسا کچھ نہیں تھا۔

بھوک سے نڈھال شیر، بھیڑیے کا انتظار کرتا رہا، جب کہ بھیڑیا زور زور سے ہنس رہا تھا کہ اس نے جنگل کے بادشاہ کو بے وقوف بنایا۔

اور کہہ رہا تھا:

''میں نے کبھی بولتا ہوا غار نہیں دیکھا۔ ہاہا...... ہاہا...... ہا۔''

بے وقوف شیر اَب غار سے باہر آ گیا تھا، لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ شیر کو اِحساس ہوا کہ اس نے سب سے بڑی غلطی آواز نکال کر کی ہے، اسی وجہ سے وہ شکار حاصل نہیں کر سکا، مگر اَب پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیا چگ گئیں کھیت!

اعلان برائے ''شکر پارے''

شکر پارے کے لیے بھیجا جانے والا لطیفہ ایسا ہو:

☆ اس میں اہل علم، علمائے کرام اور دین کے شعبے سے تعلق رکھنے والے احباب کا مذاق یا بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔

☆ اس میں کسی فرد یا قوم کا مذاق نہ اڑایا گیا ہو۔

☆ اس میں کسی پیشے کا مذاق نہ اڑایا گیا ہو۔

☆ اس میں استاد کی بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔

☆ اس میں والدین کی بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔

☆ اس میں بڑوں کی بے ادبی کا پہلو نہ ہو۔

احساسِ جرم

مہدیہ عبدالسلام۔نہم (بی)، گلشن سیکنڈری برانچ، البدر اِسکول

پستول چلنے کے دھماکے اور ٹائر کے پھٹنے کی آواز نے ماحول کے سنّاٹے کو چیر کر رکھ دیا۔ پستول کی آواز دَراصل انسپکٹر عمران کے پستول سے نکلی تھی، جو بہت ماہرانہ انداز میں ایک کار کا تعاقب کر رہے تھے۔ انھوں نے جب اگلی کار کو لڑکھڑاتے اور اُس کی رفتار کو سُست ہوتے دیکھا تو اپنی کار کی رفتار بڑھادی اور اُگلی کار کے سامنے پہنچ کر بریک لگادی۔ اس کار کے ڈرائیور نے بھی ایک کار کو اپنے سامنے رکتے دیکھ کر بریک لگادی۔ اس کے ساتھ ہی انسپکٹر عمران اپنی کار سے اترے۔ پستول بدستور اُن کے ہاتھ میں تھا۔ کار سے اترتے ہی انھوں نے اپنا رخ اُس کار کے دروازے کی طرف کیا اور آگے بڑھ کر دَروازہ کھول دیا۔ جیسے ہی انسپکٹر عمران کی نظر اَندر بیٹھے شخص پر پڑی، ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

......☆......

آفاق صاحب کے تین بچے تھے، عمران، عائشہ اور شکیل۔ آفاق صاحب ایک سُپر مارکیٹ میں نوکری کرتے تھے۔ ان کی تنخواہ واجبی سی تھی، اس لیے ان کے خاندان کا گزر بسر کچھ اچھا نہیں ہوتا تھا، اس کے باوجود وہ چاہتے تھے کہ ان کے بچے اچھا پڑھ لکھ کر اُن کا اور ملک کا نام روشن کریں، جس کے لیے وہ پوری لگن سے اپنی نوکری پر توجہ دے رہے تھے۔ ان کے سب سے چھوٹے بیٹے شکیل کو پڑھائی میں ذرا سی بھی دل چسپی نہیں تھی۔ اسے اپنے گھر کی غربت کھٹکتی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے پاس بہت سے پیسے ہوں اور وہ عیش وعشرت کی زندگی گزارے۔

زندگی حسبِ معمول چل رہی تھی۔ تینوں بچے اب کافی بڑے ہو چکے تھے۔ ایک دن کام سے گھر آتے وقت آفاق صاحب کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ سر سے کافی خون بہہ جانے اور لوگوں کی لاپروائی کی وجہ سے ان کا موقع پر ہی انتقال ہوگیا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اگر اُنھیں وقت پر ہسپتال لے آیا جاتا تو جان بچ سکتی تھی، مگر جائے وقوعہ پر موجود لوگوں نے اس لمحے کو اپنے اپنے موبائل فونوں میں قید کر لینے کو زیادہ اہم سمجھا۔

آفاق صاحب اپنے گھر کے واحد کفیل تھے۔ ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد عمران نے یہ ذمے داری اٹھائی اور اپنی قابلیت کے بل بوتے پر پولیس میں حوالدار لگ گیا۔ تنخواہ کم تھی، مگر والدہ کے حوصلے نے اسے کبھی ہمت نہیں ہارنے دی۔

آفاق صاحب کے انتقال کے بعد شکیل کو تو گویا کھلی چھوٹ ہی مل گئی۔ پڑھائی تو اُس نے تب ہی چھوڑ دی تھی جب وہ پانچویں میں ناکام ہوگیا تھا۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد وہ اپنے کچھ آوارہ دوستوں کے ساتھ رات کو چھپ چھپاتے گھر سے نکل گیا۔

اگلے دن پورے محلے میں اسے تلاش کیا گیا، مگر وہ کہیں نہ ملا۔ محلے والوں نے بھی سارا علاقہ چھان مارا، مگر اُس کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔ عمران کے پاس اب پولیس میں رپورٹ لکھوانے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا۔

......☆......

وقت کا پہیا تیزی سے گھومتا رہا۔ عمران اب صرف حوالدار عمران نہیں رہا تھا، بل کہ اب وہ انسپکٹر عمران بن چکا تھا۔ عائشہ اب ڈاکٹر بن چکی تھی۔

یہ سب تو اچھا چل رہا تھا، مگر شکیل کا کچھ اتا پتا نہیں تھا۔ اسے گھر سے غائب ہوئے چار سال بیت چکے تھے۔ ان کی والدہ اکثر اُس کی یاد میں آنسو بہایا کرتی تھیں، بیٹا بے شک نافرمان تھا،

البدر ہائیر سیکنڈری اسکول

کے

لکھاری

مگر تھا تو بیٹا ہی۔

......☆......

انسپکٹر عمران اپنے دفتر میں بیٹھے تھے کہ انھیں علاقے کے ایس۔ پی صاحب کا فون موصول ہوا۔ انھوں نے بتایا کہ ابھی ابھی شہر کے سب سے نام وَر غنڈوں کے گروہ کے چند بڑے کارکنوں کو ایک نیلے رنگ کی کار میں مال روڈ پر جاتے دیکھا گیا ہے۔ ایس۔ پی صاحب نے انسپکٹر عمران کو مزید ہدایات دیتے ہوئے کہا کہ فوراً اُس کار کا پیچھا کرو، لیکن بہت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ وہ لوگ بہت خطرناک ہیں، کسی کی بھی جان لینے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

ایس پی صاحب کی ہدایات پاتے ہی انسپکٹر عمران نے اپنی جیپ نکالی اور تیزی سے مال روڈ پر ڈال دی۔ ان کی جیپ کی رفتار انتہائی تیز تھی۔ عین اسی لمحے انھیں اپنی جیپ کے سامنے نیلی کار دِکھائی دی۔ انسپکٹر عمران نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ اب اگلی کار والوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے، انھوں نے کار شہر سے باہر جانے والی سڑک پر ڈال دی۔ یہ تعاقب تقریباً دس منٹ تک جاری رہا۔ آخر انسپکٹر عمران نے اپنا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکالا اور اُس کار کے ٹائر کا نشانہ لیتے ہوئے فائر کر دیا، جس سے ٹائر پھٹ گیا۔

......☆......

کار کا دروازہ کھولتے ہی انسپکٹر عمران دھک سے رہ گئے۔ ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر اُنھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا، اندر اُن کا اپنا چھوٹا بھائی شکیل بیٹھا تھا۔

دونوں چند منٹ تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، چار سال بعد شکیل، انسپکٹر عمران کو کافی بدلا ہوا لگا تھا، وہ بالکل ایک بدمعاش اور غنڈہ لگ رہا تھا۔

انسپکٹر عمران کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی، ادھر شکیل کا بھی یہی حال تھا۔ انسپکٹر عمران نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے شکیل اور اُس کے ساتھ کار میں بیٹھے تینوں لڑکوں کو پستول کی زد پر لیتے ہوئے اپنے ماتحت کو وہاں تین کانسٹیبلوں کے ساتھ فوراً آنے کی ہدایت کی۔

ابھی دس منٹ ہی گزرے تھے کہ پوری سڑک پولیس کی گاڑیوں کے سائرن سے گونج اٹھی۔ ان کے ماتحت سب انسپکٹر فیاض نے آگے بڑھ کر مجرموں کو گرفتار کر کے پولیس کی جیپ میں بٹھایا اور تھانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان کے جاتے ہی انسپکٹر عمران بھی اپنی جیپ میں ان کے پیچھے روانہ ہو گئے۔

تھانے پہنچنے تک ان کا مزاج بہت اداس ہو چکا تھا۔ انھوں نے سب انسپکٹر فیاض کو حکم دیا کہ وہ مجرموں سے پوچھ گچھ کر کے ان کے ٹھکانے پر چھاپا مارے اور گروہ کے باقی کارکنوں کو بھی گرفتار کر لے۔

شکیل اور اُس کے ساتھیوں سے پوچھ گچھ کرنے کے لیے انھیں زیادہ زور زَبردستی نہیں کرنی پڑی۔ شکیل اپنے کیے پر شرمندہ تھا، وہ جان چکا تھا کہ جرم کبھی چھپ نہیں سکتا۔ اس نے سب انسپکٹر فیاض کو بتایا کہ وہ گروہ کا نائب سردار ہے۔ اس کے ساتھیوں نے بھی سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنے ٹھکانے کا پتا بھی بتا دِیا، جس کے بعد گروہ کا سَردار اور باقی افراد بھی گرفتار ہو گئے۔

......☆......

انسپکٹر عمران جب اپنے گھر آئے تو بہت اداس تھے۔ آج گروہ کا کیس عدالت میں لڑا گیا تھا۔ شکیل اور اُس کے ساتھیوں کو اپنے جرم کا اعتراف کرنے کی وجہ سے دو سال عمر قید کی سزا سنائی گئی تھی، جب کہ سردار کو پھانسی کی سزا سنائی گئی تھی۔ ان کی والدہ اور بہن انھیں اداس دیکھ کر اُن کے پاس آئیں اور آنکھوں میں نمی لیے شکیل کی سزا کے بارے میں دریافت کرنے لگیں۔ انسپکٹر عمران یہ سوچنے لگے کہ اگر اُن کے والد آفاق صاحب حیات ہوتے تو آج یہ نوبت نہیں آتی کہ ان کا بیٹا کسی سنگین جرم کا مرتکب ہوتا۔ یہ خیال آتے ہی ضبط کرنے کے باوجود بھی وہ زار و قطار رُو پڑے۔

دوسری طرف شکیل کو اپنی زندگی کے قیمتی سال ضائع ہونے اور اچھے خاندان سے تعلق ہونے کے باوجود بُری صحبت میں پڑنے پر افسوس ہوا اور اُس نے آئندہ خود کو بدلنے کا عزم کر لیا۔

"یہ مفلر بہت خوب صورت ہے، لیکن تمھاری گردن بھدی ہے، اس لیے تم پر یہ جچ نہیں رہا۔ اگر یہی مفلر میری لمبی، پتلی اور خوب صورت گردن میں ہوتا تو خوب جچتا۔"

زیبرے کے گلے میں نیا مفلر دیکھ کر زرافے نے گردن تان کر کہا تو زیبرا شرم سے گردن جھکا کر وہاں سے چلا گیا۔

کچھ فاصلے پر بیٹھی ایک بلی نے ندی کے پانی میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے پاس بیٹھے گھاس کھاتے خرگوش سے کہا:

"جانتے ہو خرگوش بھیا! جنگل کے سبھی جانور میری نیلی آنکھوں کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ خدا نے تمھیں بہت خوب صورت بنایا ہے، لیکن خرگوش بھیا! تمھارے بڑے بڑے کان دیکھ ایسا لگتا ہے کہ تمھیں حسن کا ایک ذرہ بھی نہیں دیا گیا ہے۔"

بلی کی بات سن کر درختوں پر بیٹھے بندر خرگوش کے کانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے زور زور سے ہنسنے لگے۔ خرگوش شرم کے مارے بھاگ کر بل کے اندر چھپ گیا۔ اسی دوران میں توتی اور مورنی کو جھگڑے پر آمادہ کرنے کی نیت سے ایک بندر نے کہا:

"ویسے میں سوچ رہا تھا کہ اگر خوب صورتی کی بات کی جائے تو اِس معاملے میں مورنی اور توتی، دونوں برابر ہیں، کیوں کہ دونوں کا ایک جیسا ہرا ہرا رنگ ہے۔"

بندر کی بات سن کر مورنی نے اپنے پنکھ پھیلاتے ہوئے کہا:

"لگتا ہے تمھاری آنکھیں خراب ہیں! کیا تمھیں دکھائی نہیں دیتا کہ میرے پروں پر خوب صورت نقش و نگار بنے ہوئے ہیں، جب کہ اس توتی کے پنکھ بالکل سادے ہیں، اس لیے میں توتی سے زیادہ خوب صورت ہوں۔"

مورنی کی باتیں سن کر توتی، جو کافی دیر سے صبر کے گھونٹ پی رہی تھی، اپنے پرس سے آئینہ نکال کر اپنی چونچ دیکھتے ہوئے بولی:

"میرے پنکھ، مورنی کی طرح نقش و نگار والے نہیں ہیں تو کیا ہوا، میری چونچ سرخ گلاب کی طرح خوب صورت ہے۔ خدا نے مجھے قدرتی حسن دیا ہے۔"

......☆......

"جنگل کے بادشاہ شیر کو اُس کے وزیر چیتے نے جنگل کے حالات سے باخبر کرتے ہوئے کہا:

"حضور! جنگل کے حالات دن بدن خراب ہوتے جا رہے ہیں۔

شیر کی ہوش یاری

عنبرین بلوچ۔ ڈیرہ اسماعیل خان

آئے روز جانوروں میں اس بات کو لے کر لڑائی جھگڑا اور بحث وتکرار ہوتی ہے کہ کون خوب صورت ہے اور کون بدصورت؟ ہر جانور خود کو خوب صورت کہہ کر تکبرانہ باتیں کرتا ہے اور دوسروں کو بدصورت قرار دے کر اُن پر طنزیہ جملے کستا ہے۔''

چیتے کی باتیں سن کر شیر کو یقین نہ آیا، اس نے چیتے کی بات کو ٹال دیا اور چیتے سے کہا:

''جنگل میں لگنے والی آگ سے جو درخت جل گئے تھے ان کی راکھ کو ہٹانے کے کام کے لیے اس جانور کو بھیجو جس کی باری ہے۔''

چیتے نے شیر کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سفید رنگ کے ایک کتے سے راکھ ہٹانے کا کہا تو اُس سفید کتے نے شیر کے سامنے یہ کہہ کر راکھ اٹھانے سے معذرت کر لی:

''حضور! آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر، لیکن معاف کیجیے گا! میں یہ کالی راکھ نہیں اٹھا سکتا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ میرا رنگ کتنا گورا ہے۔ اگر میرے جسم اور چہرے پر ذرا سی بھی راکھ لگی تو میرا حُسن ماند پڑ جائے گا۔ آپ یہ کام اُس کالے کلوٹے ریچھ کے ذمے لگا دیجیے، وہ یہ کام بخوبی سرانجام دے سکتا ہے۔ اس کے جسم پر راکھ لگ بھی جائے تو اُسے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ تو پہلے سے ہی کالا اور بدصورت ہے۔''

یہ کہہ کر سفید کتا وہاں سے چلا گیا تو شیر کو چیتے کی بات پر یقین آیا۔

ہمیں جانوروں کو ایسی باتیں کرنے سے روکنا ہوگا، ورنہ آپس کی نااتفاقیوں کی وجہ سے جنگل کی صورتِ حال خطرناک ہو جائے گی۔'' شیر نے چیتے سے کہا۔ ''جنگل کے سبھی جانوروں کو پیغام بھجواؤ کہ کل صبح میرے دربار میں حاضر ہوں، خیال رہے کہ کسی بھی جانور سے اس بات کا ذکر نہ کرنا کہ میں نے ان سب کو کس لیے بلوایا ہے۔''

''آپ بے فکر رہیں حضور! ویسا ہی ہوگا جیسا آپ نے کہا۔'' یہ کہہ کر چیتے نے سب جانوروں تک شیر کا پیغام پہنچا دیا۔ اگلے دن دربار کھچا کھچ جانوروں سے بھر گیا۔ سبھی جانور شیر کے آنے کا انتظار کرتے ہوئے آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔

''آخر شیر نے ہم سب کو ایک ساتھ کیوں بلایا ہے؟''

ہرنی نے پاس کھڑے ہاتھی سے پوچھا:

''ہاتھی بھیا! کیا تم جانتے ہو کہ ہمیں یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟''

ہاتھی نے لاعلمی کا اظہار کیا تو ہرنی بولی:

''ویسے تم تو یہ سوچ کر آئے ہوں گے کہ شیر نے آج ہمارے لیے دعوت کی ہوگی، جس میں مزے دار کھانے ہوں گے، پَر افسوس! یہاں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ ویسے ہاتھی بھیا! تم پرہیز کیوں نہیں کرتے؟ موٹے سانڈ ہو گئے ہو۔ سنا ہے، انسان کسی دوسرے انسان کے موٹاپے کا مذاق اُڑاتے ہیں تو تمھاری مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم ہاتھی کی طرح موٹے ہو۔ مجھے دیکھو، میں کتنی سڈول ہوں، انسان میری خوب صورتی کی مثال دیتے ہوئے ہرنی جیسی چال کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، لیکن شکر ہے کبھی غرور نہیں کیا۔''

اتنے میں چیتے نے سب جانوروں کو خبردار کیا کہ شیر بادشاہ تشریف لا رہے ہیں۔ سبھی جانور اَدب سے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ شیر آیا اور سب جانوروں کو خوش آمدید کہہ کر اپنے تخت پر بیٹھ گیا اور اپنی بات شروع کی:

''جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ میں اس جنگل کا بادشاہ ہوں، اسی لیے جنگل کا ہر چھوٹا بڑا فیصلہ میں ہی کرتا ہوں۔

بات یہ ہے کہ انسانوں کی تفریح کے لیے حکومت نے ایک نیا چڑیا گھر بنایا ہے، اس کے لیے ملک کے تمام جنگلوں کے بادشاہوں، یعنی شیروں نے آپس میں مشورہ کر کے اپنے اپنے جنگل سے ایک ایک خوب صورت جانور منتخب کر کے اسے حکومت کو چڑیا گھر کی زینت بنانے کے لیے بطورِ تحفہ پیش کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، کیوں کہ حکومت بھی جنگلوں کی حفاظت کرتے ہوئے لوگوں کو درخت کاٹنے سے روکتی ہے اور ہر سال شجر کاری کی مہم چلا کر نئے درخت لگواتی ہے، اس لیے ہم بھی دنیا داری نبھاتے ہوئے حکومت کو تحفہ دینا چاہتے ہیں، اس لیے میں نے آپ سب کو یہاں بلایا ہے، تا کہ میں یہ دیکھ سکوں کہ کون سا جانور سب سے زیادہ خوب صورت ہے اور چڑیا گھر بھیجنے کے لائق ہے۔''

’’چڑیا گھرررررر۔‘‘

’’چڑیا گھر کا نام سنتے ہی ہرنی کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ سفید کتا بولا:

’’چڑیا گھر کا مطلب: زنجیریں۔‘‘

توتی بولی: ’’چڑیا گھر کا مطلب ہے پنجرے۔‘‘

بلی بولی: ’’چڑیا گھر کا مطلب ہے تنہائی۔‘‘

زرافہ بولا: ’’چڑیا گھر کا مطلب ہے قید۔‘‘

سبھی جانور یہ بڑبڑاتے ہوئے ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرنے لگے، کیوں کہ کسی میں یہ ہمت نہیں تھی کہ شیر کے سامنے کہہ سکے کہ وہ چڑیا گھر کی قید میں نہیں رہنا چاہتا، بل کہ اپنے جنگل کی کھلی فضا میں آزادی اور اپنی مرضی سے زندگی گزارنا چاہتا ہے، لہٰذا ہر جانور دِل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ شیر اُسے خوب صورت سمجھنے

کے بجائے بدصورت سمجھے۔ شیر، جو کہ غور سے ان سب کو دیکھ رہا تھا، اپنے وزیر چیتے سے مشورہ کرتے ہوئے بولا:

''میرے خیال میں بلی بہت خوب صورت ہے، ہمیں اسے ہی چڑیا گھر بھیجنا چاہیے۔''

شیر کی بات سن کر سہمی ہوئی بلی بولی:

''حضور! میں تو بدصورت ہوں، مجھ سے دس گنا زیادہ خوب صورت بلیاں انسانوں کے گھروں میں موجود ہوتی ہیں۔ بھلا وہ چڑیا گھر مجھ جیسی حقیر بلی کو دیکھنے تھوڑی آئیں گے، بل کہ وہ تو خرگوش جیسے حسین جانور کو دیکھ کر خوش ہوں گے، اس کے بڑے بڑے خوب صورت کان سب کو پسند آئیں گے۔''

چیتے نے شیر سے کہا:

''حضور! بلی کو چھوڑیے، زرافے کو دیکھیے، اس کی لمبی اور پتلی گردن قدرت کا شاہ کار ہے۔''

یہ سن کر زرافے کی سانس رک گئی اور وہ کہنے لگا:

''نہیں نہیں، بادشاہ سلامت! میری یہ لمبی گردن خود میرے لیے تکلیف کا باعث ہے۔ میں خود اپنی گردن کو سنبھال نہیں پاتا تو چڑیا گھر والے مجھے کیسے سنبھال پائیں گے۔ آپ زیبرے کو دیکھیے، اس کے جسم پر کالی اور سفید دھاریوں کا امتزاج ہر شخص کو اپنی طرف مائل کرے گا۔''

اس سے پہلے کہ شیر ہرنی کا نام منتخب کرتا، ہرنی خود ہی بول پڑی:

''بادشاہ سلامت! ہاتھی بہت پیارا اور معصوم جانور ہے اور اِنسانوں کے بچے ہاتھی کو بہت پسند کرتے ہیں، کیوں نہ آپ اسے چڑیا گھر بھیج دیں۔''

اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے سبھی جانوروں نے شیر کے سامنے خود کو بدصورت اور دوسرے جانوروں کو خوب صورت ثابت کرنے کی کوشش کی۔ چیتے نے شیر سے کہا:

''میرے خیال میں ہمارے جنگل میں ایک بھی ایسا خوب صورت جانور نہیں ہے جسے ہم حکومت کو بطورِ تحفہ پیش کر سکیں۔''

شیر نے چیتے کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا:

''ٹھیک کہا تم نے، یہ سب خود اپنی زبان سے اقرار کر چکے ہیں کہ یہ سب بدصورت ہیں، لہٰذا اَب کوئی گنجائش نہیں بچتی، لیکن اگر کوئی جانور یہ دعویٰ کرے کہ وہ خوب صورت ہے تو اُسے میرے پاس لے آنا، میں اسے چڑیا گھر بھیج دوں گا، تا کہ اس کی خوب صورتی رائیگاں نہ جائے، بل کہ چڑیا گھر کو چار چاند لگانے کے کام آئے۔''

یہ کہہ کر شیر نے سب جانوروں کو جانے کی اجازت دے دی۔ ان کے جانے کے بعد شیر نے چیتے سے کہا:

''میں نے جان بوجھ کر خوب صورت جانور کو چڑیا گھر بھیجنے کا منصوبہ بنایا، تا کہ یہ سب جانور سدھر جائیں اور خود کی تعریف کرنا اور دوسروں کی تذلیل کرنا چھوڑ دیں۔''

کچھ دن بعد چیتے نے شیر کو خوش خبری سناتے ہوئے کہا:

''حضور! آپ کا منصوبہ کام یاب ہوا ہے۔ جیسا آپ نے سوچا تھا بالکل ویسا ہی ہوا ہے۔ چڑیا گھر جانے کے ڈر سے اب سب جانور اپنے آپ کو بدصورت اور دوسرے جانور کو خوب صورت کہتے ہوئے نہیں تھکتے اور ایک دوسرے کے ساتھ پیار محبت سے رہنے لگ گئے ہیں۔

ذوقِ معلومات (۸۳) کا درست جواب

☆مولی

قارئین! متوجہ ہوں:

ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' میں مختلف مصنوعات کے اشتہارات نیک نیتی کے ساتھ شائع کیے جاتے ہیں۔ کسی بھی کمپنی یا ادارے کی مصنوعات کے معیاری یا غیر معیاری ہونے کا تعلق کسی بھی صورت میں ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' سے نہیں ہے۔

اگر ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' میں شائع شدہ اشتہارات کی مصنوعات غیر معیاری نکلیں تو اِدارہ ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' اس کا ذمے دار نہ ہوگا۔

(ادارہ)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

ایک بچہ/بچی کو میٹرک کروائیں

"قرآنِ کریم کے نور کو پھیلانے میں ساتھ دیں"

کوئی بچہ/بچی تعلیم سے محروم نہ رہے

اپنے بچے کی تعلیم وتربیت کے ساتھ دوسرے بچوں کی بھی فکر کیجیے۔
قوموں کے عروج وزوال میں ہمیشہ تعلیم وتربیت کا اہم کردار رہا ہے، جو قومیں علم وہنر کو اپناتی ہیں وہ ترقی کرتی ہیں۔
آیئے جہالت کو ختم کرنے اور معاشرہ سنوارنے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔
اللہ کی دی ہوئی توفیق سے کوشش کریں کہ ایک غریب والد کے بچے/بچی کو حافظ، عالم بنائیں یا میٹرک کروائیں۔
جب ہم اس دنیا سے چلے جائیں گے تو یہ ہمارے لیے صدقہ جاریہ ہوگا۔

حفظ و درسِ نظامی (عالم)

☐ ماہانہ ہدیہ =/5,500 ☐ پورے سال کا کل ہدیہ =/66,000
☐ ایک حصہ =/16,500 (اگر آپ سال کی مکمل رقم نہیں دے سکتے تو ایک حصہ میں بھی تعاون فرما سکتے ہیں۔)

اسکول

	ماہانہ ٹیوشن فیس	پورے سال کی کل ٹیوشن فیس	ایک حصہ
مونٹ لیول 1 سے کلاس 8:	☐ 5,870/=	☐ 70,440/=	☐ 17,610/=
کلاس 9 سے 10:	☐ 6,700/=	☐ 80,400/=	☐ 20,100/=
کلاس 11:	☐ 9,350/=	☐ 112,200/=	☐ 28,050/=
کلاس 12:	☐ 10,100/=	☐ 121,200/=	☐ 30,300/=
اولیول:	☐ 10,000/=	☐ 120,000/=	☐ 30,000/=

مکتب

☐ معاون کا ماہانہ خرچہ =/33,000 ☐ پورے سال کا کل خرچہ =/400,000
☐ ایک حصہ =/100,000 (اگر آپ سال کی مکمل رقم نہیں دے سکتے تو ایک حصہ میں بھی تعاون فرما سکتے ہیں۔)

تعاون کی مد میں آپ کی طرف سے عطیہ، زکوۃ اور نفلی صدقہ بھی وصول کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مال کو قبول فرمائے اور برکت عطا فرمائے۔ آمین

وضاحت: بسا اوقات ایک طالبِ علم کے والد/سرپرست مکمل خرچہ نہیں دے سکتے تو آپ کا دیا ہوا ایک اسپانسر 2 یا 3 بچوں کا بھی سہارا بن سکتا ہے۔
حسابات ٹھیک رہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ رسید ضرور حاصل کریں۔ رابطہ نمبر ہیڈ آفس: 0323-8007019, 0323-8007027

بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات

عطیات کے لیے:	زکوۃ کے لیے: (برائے مدرسہ)	عطیات کے لیے:	زکوۃ کے لیے: (برائے اسکول/مدرسہ)
Bait-ul-Ilm Trust (Donation)	Bait-ul-Ilm Trust (Zakat)	Al-Badar Al Barakah School	Bait-ul-Ilm Educational Welfare Society
0179-0101662095	0179-0101662094	01790103197698	01790106776645
Meezan Bank (Soldier Bazar)	Meezan Bank (Soldier Bazar)	Meezan Bank (Soldier Bazar)	Meezan Bank (Soldier Bazar)

نوٹ: بیت العلم ایجوکیشن ویلفیئر سوسائٹی
(NTN: 8966027 کا حامل) ایک غیر منافع بخش ادارہ ہے،
جس کے پاس ٹرسٹ/فلاحی ادارے/غیر منافع بخش ادارہ
برائے 100C کے تحت ٹیکس کریڈٹ ہے۔
لہٰذا ادارہ میں رقم جمع کروا کر آپ ٹیکس میں استثنیٰ حاصل کر سکتے ہیں۔

Note: BAIT-UL-ILM EDUCATIONAL WELFARE SOCIETY
(NTN: 8966027) A Non-Profit organization having
Tax credit for Trusts/Welfare Institutions.
Therefore, your donations will be tax-exempted.
Non-Profit Organization u/s 100C

کوپن برائے
بلاعنوان ۱۸۷

نام: ________ ولدیت: ________

مکمل پتا: ________

فون نمبر: ________

کوپن برائے
ذوق معلومات ۸۶

نام: ________ ولدیت: ________

مکمل پتا: ________

فون نمبر: ________

سوال آدھا جواب آدھا ۴۲

نام: ________ ولدیت: ________

مکمل پتا: ________

فون نمبر: ________

ہدایات: جوابات ۳۱ مارچ ۲۰۲۳ء تک ہمیں موصول ہوجانے چاہییں ...... ☆ ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

Since 1999

KIDS COLLECTION SHOES

Best Footwear Collection for Kids

10% Discount Will Be Given

For Showing Advertisement Image.

Shop Online At

Eid Arrival On Display

SUNDAY OPEN

2:30 pm

kidscollectionshoes

0316-2709797

www.kidskcs.com

Branch 1: Shop #09, Star Center Near Chawla Center,
Main Tariq Road, Karachi.
Tel:021-34315359
Branch 2: Shop #01, Saima Paari Glorious
Opposite Sindh Lab, Main Tariq Road, Karachi.
Tel:021-34382622